مقاصد قرآن

ترتیب وتزئین

ایس ایم نعمان عزیز خان

تالیف

ڈاکٹر نوشابہ کھوکھر

(گزشتہ سے پیوستہ)

ایاك نعبد و ایاك نستعین

"ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔"

نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحۃ کا پڑھا جانا، نماز انفرادی ادا کر رہے ہوں یا جماعت میں نمائندگی "فرد" کے بجائے "اجتماعیت" کی بیان کرنے کا ڈھنگ اللہ کی تعلیم ہے۔ ہر نمازی "امت مسلمہ" کے ایک فرد کی حیثیت سے بارگاہ الہٰی میں ایک سائل بن کر التجا کرتا ہے۔

"ایاك نعبد"

"ہم (امت مسلمہ) صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔"

اس اخلاص میں مضمر عزم ذاتی خواہشات، پسند و ناپسند، دنیاوی دوستیاں عزتیں، مرتبے، خود پرستی کو حق تعالی کی خاطر روند ڈالنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس عبادت کے اخلاص کے لیے امت محمدیہ کا یہ فرد اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں کوئی خوف محسوس نہیں کرتا۔

ایاك نستعین

"ہم صرف تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔"

ایسا کیوں نہ ہو جب کہ امت مسلمہ نے اپنے پیارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے ذریعے اپنے معبود، خالق و مالک کا ایسا صاف و شفاف تعارف پایا ہے جسے دنیا کی کوئی تعلیم مکدر نہیں کر سکتی۔ دھندلا نہیں سکتی۔

عالی دماغ افراد اجتماعیت اور انسانیت کی بھلائی کی اعلی سوچ اور جذبوں سے پُر ہوتے ہیں جب کہ عامی ذہنیت کے حامل کو صرف اپنی ذات کی فکر ہلکان رکھتی ہے۔ "میں"، "مجھے"، میرا کی فکر اسے کنویں کا مینڈک بنا دیتی ہے۔

جس طرح اللہ رب العزت کے لیے لایعنی کام عبث ہیں اسی طرح اس کے محبوب خاتم الانبیاء والرسل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ امید رکھنا عبث ہے کہ وہ محض اپنی نسلی نسبت کے باعث حسنین کریمین رضی اللہ عنہما

کو "سید اشباب اھل الجنۃ" قرار دیں۔ جب کہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا اور اپنی پھپھو رضی اللہ عنھا کو عمل صالح کی ترغیب دلائیں اور یوم حساب میں نسب کے باعث نہ بچنے کی ترہیب دلائیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا:

حسین منی و انا من حسین

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔

اپنے اندر حضرت حسین کے اس کردار کی گواہی رکھتا ہے جو انہیں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جنت کی سرداری کا اہل ثابت کرتا ہے۔

شوریٰ اجتہاد کی ایک قسم اور اسلامی اجتماعیت کا مظہر ہے۔ شوریٰ حکم خداوندی ہے۔ اس کے ذریعے معاشرے میں "عدل"، مساوات، حریت فکر اور رائے کی آزادی جیسی اقدار پنپتی ہیں۔ دین اسلام کی عالمگیریت اور آفاقیت کا پتا چلتا ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "نبی کریم کی تعلیم اور منہج مشاورت" سے روگردانی کے خلاف زبان اور عمل کی شہادت پیش کی۔ امت کی مصلحت کو پہچان کر اس کا حق ادا کیا۔ "امر بالمعروف و نھی عن المنکر" کے فرض کی ادائیگی میں راہ عزیمت چنی اور حالت نماز میں "ایاک نعبد وایاک نستعین" کی گواہی دی اور شہید ہو گئے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "امت مسلمہ" کے لیے شوریٰ، عدل، مساوات، انسانی حقوق، حریت فکر، حریت رائے کے حصول اور فروغ کی اہمیت اپنی شہادت سے رقم کی۔ نبی کریم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور قیامت تک کے لیے امر بالمعروف و نھی عن المنکر کی لازوال مثال اپنے قول و عمل سے دے کر حجت تمام کر دی۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس قربانی اور اس کے ذریعے دی گئی تعلیم کو سیکھنے سکھانے اور اس پر عمل فرمانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

"اھدنا الصراط المستقیم "ہمیں سیدھی راہ دکھا"

قربان جایئے اپنے رب کی محبت پر۔اس کی عنایات پر اس کی خیر خواہی،اس کے رحمانیت ور حمیت پر۔ہر طرح کی مادی نعمتیں دان کر کے "دعا" کا ادب بھی سکھا دیا۔

"اھدنا" سکھا کر حجت تمام کر دی کہ بطور مخلوق اگر چہ تم محتاج ہو تاہم خوش قسمت ہو،شکر کرو تمہارا اللہ رب العالمین ہے۔ہر احتیاج کے لیے دست دراز کرنے کے لیے وہی اصلی اور حقیقی جا ہے۔زمین و آسمان کے خزانوں کا واحد مالک۔اس کی ملکیت میں کوئی شراکت دار نہیں۔اس کے اقتدار اور ملکیت کو کبھی زوال نہیں۔خود زندہ ہے اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔کائنات کا ہر وجود اس کے مرہون منت ہے۔وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔وہ ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہے۔دنیا مانگنے والے وجود کو دھتکارتی ہے اور اسے اپنے سامنے عاجزی سے جھکنے والوں اور دعائیں مانگنے والوں سے بہت پیار ہے۔

اس سے مانگیے۔کیا چاہیے آپ کو؟

کھانا، بنگلہ، گاڑی، رشتے، بیٹیاں، بیٹے، عہدے، عزت، شہرت، سکون، محبت، دنیا کی ہر آسائش!!!

اس نے وحی کے ذریعے تعلیم دی۔ہر جن وانس کو بتایا، سکھایا اور سمجھا دیا کہ تم اپنی ہر مانگ کے لیے اپنے "رازق اصلی" کی طرف رجوع کرو۔

کیا تم جانتے ہو کہ دعا میں مانگی جانے والی اہم ترین چیز جو تمہیں مجھ سے مانگنی ہے وہ کیا ہے؟

وہ "صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت" ہے۔

صراط مستقیم کو انسان محض اپنی عقل، ادراک اور شعور کے استعمال سے کھوج نہیں سکتا۔وحی اسے پا لینے کا ذریعہ ہے۔اسلامی شریعت کا مقصد اسی راہ مستقیم کی جامع و کامل عالمگیر رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

انصاف کیجیے جب خود مانگنا سکھایا "ہمیں سیدھی راہ دکھا"۔جو اس کا "حکم" مان جائے۔قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کر کے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دے۔کیا اس کا دامن خالی رہے گا؟

ہمیں سیدھی راہ دکھا دے۔

ہمیں سیدھی راہ دکھادے۔

ہمیں سیدھی راہ دکھادے۔

وہ تو دل میں موجود احساسات کو بھی جانتا ہے تو پھر پانچ وقت نمازوں میں مانگی گئی اس دعا کو پورا کیوں نہیں کرتا؟

ذرا سوچیے

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

گلوبلائزیشن کے دور کی خاص دعا:

اهدنا الصراط المستقیم (سورۃالفاتحۃ)

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔"

موجودہ دنیا میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے دنیا بھر کے انسانوں کو قریب لانے ایک دوسرے کو جاننے کا وسیع موقع فراہم کیا ہے۔ دنیا بھر کے انسان ایک دوسرے کی تعلیمات کو جان رہے ہیں۔ متاثر ہو رہے ہیں۔ نوجوان نسل کی اکثریت اس شک میں مبتلا رہنے لگی ہے کہ جب سب انبیاء ورُسُل اللہ کے بھیجے ہوئے چنیدہ تھے تو ان میں سے کسی کی بھی پیروی کرلی جائے۔ ان کے لائے ہوئے کسی بھی مذہب پر چل لیا جائے. اس میں کیا حرج ہے؟ ہر راستہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جانے والا تو ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے "صراط الذین انعمت علیھم" (ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا) یقیناً سب انبیاء ورسل اس آیت کا مصداق ہیں۔

پھر ان کی اتباع میں الجھن کیسی؟

بہت اہم بہت اہم بہت ہی اہم ہے

کہ

ان الجھے ہوئے سوالوں سے الجھی ہوئی نسل کو سلجھانے کے لیے کچھ کیا جائے۔

کیا آپ کو یہ مسائل محسوس ہو رہے ہیں؟

اگر ہاں تو آپ نے ان کو حل کرنے کے لیے کس راہ عمل کا انتخاب کیا ہے؟

اللهم صل علی محمد و علی آل محمد کما صليت علی ابراهيم و علی آل ابراهيم انك حميد مجيد
اللهم بارك علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهيم و علی آل ابراهيم انك حميد مجيد

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

"ہم کو سیدھے راستہ پر چلا۔"(سورۃ الفاتحۃ)

راستے یا منزلیں؟

کبھی سفر کیا ہے آپ نے؟

تو پھر۔۔۔۔

آپ کو "راستے" اچھے لگتے ہیں یا "منزلیں"؟؟؟

ننھا بچہ ہاتھ میں پینسل اوراخبار پکڑے "راستہ تلاش کریں" نامی گیم کو مکمل کرنے کے لیے کبھی کبھی ناکامی کی صورت میں منزل سے راستے کی جانب لکیر لگا کر کامیابی حاصل کرلیتا ہے۔

"اسے کامیابی چاہیے"۔

سیر و سیاحت کا شوق اکثر منزلوں سے زیادہ پُر فریب راستوں اور نظاروں سے دل لگا بیٹھتا ہے۔یہاں تک کہ منزل کی چاہ چھوڑ کر راستوں کا اسیر بن جاتا ہے۔

کبھی کبھی سفر ایک اذیت ہوتا ہے۔کچے اونچے نیچے کٹے پھٹے راستے مسافر کو نگل جاتے ہیں۔اسے منزل تک پہنچنا نصیب نہیں ہوتا۔

راستہ سیدھا پیچ وخم سے پاک۔صاف ستھرا واضح نقشہ سفر ہاتھ میں۔زادراہ وافر۔کامیاب ترین گائڈ ساتھ میں۔کیا خیال ہے؟کچھ اور درکار ہے؟

اچھاتو تم خود کو "مسافر" قرار دینے میں حق بجانب ہو؟ تم منزل کی جستجو کے قائل بھی نہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ پتاپوچھنے کو بھی شرک قرار دیتے ہو۔زادراہ سے انکار کرتے ہو۔

آپ کیاہیں؟ مسافر یا مقیم؟

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

ہدایت کی پکار:

نماز میں ہر ایک اللہ رحمن ورحیم کو اپنا واحد معبود مانتے ہوئے مدد کے لیے پکار تا ہے:

اھدنا الصراط المستقیم

"ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت دے"۔

"اھدنا" طلبِ ہدایت کا کلمہ اپنے اندر کئی لطیف معانی سموئے ہوئے ہے۔اس کا تعلق انسان کو دیئے جانے والے جسم اور اس میں موجود قوتوں اور طاقتوں سے ہے۔یہ طاقتیں بیک وقت لطیف بھی ہیں اور کثیف بھی۔انسانی جسم میں موجود ایک ایک عضو اور اس کی کارکردگی،روح اور اس کی لطافت سب اللہ سبحانہ وتعالی کی صنّاعی ہے۔اسی کی عطاہے۔

ہدایت کی تلاش کا سفر:

اللہ تعالی کی طرف سے ملنے والی ایک ہدایت کو تمام ان پڑھ اور پڑھے لکھے انسان،امیر ہوں یا غریب دنیا کے کسی بھی خطے سے تعلق رکھتے ہوں کوئی بھی زبان بولتے ہوں کسی بھی مذہب پر عمل پیرا ہوں یا ملحد ہوں،سب اپنی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ "فطری الہام اور وجدان" ہے۔ایک نوزائیدہ بچہ بھوک محسوس کرتا ہے اور دودھ کے لیے بلکتا ہے۔وہ اپنی ماں کے لمس اور اس سے حاصل ہونے والی غذا کی فطری پہچان رکھتا ہے۔یہ وجدان یہ فطرت،اپنی ضرورت اور اس کو پورا کرنے کی سعی سب اللہ تبارک وتعالی نے ہر انسان کے اندر ودیعت کر رکھی ہے۔اس معاملے میں تمام انسانیت میں "مساوات" کا قانون من جانب اللہ ہے۔

انسان کے احساسات اور شعور کو پختہ ہونے کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔کوئی بھی دو انسان بیک وقت ایک ہی عمر میں ایک طرح سے "محسوسات "میں کمال حاصل نہیں کرتے۔چنانچہ جیسے جیسے اس کے محسوسات بلوغت کو پہنچتے ہیں ویسے ویسے وہ ہدایت کے درجوں میں بلندی کی طرف محو سفر ہوتا ہے۔

دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ "وجدان اور الہامی فطرت" کا مشاہدہ کریں تو انسان ان میں ہمیشہ " حقیقت "کو پا لیتا ہے۔اس کے برعکس "محسوسات" میں تدریجاً رفتہ رفتہ شعور کو حاصل کرتا رہتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کی طرف سے جسم انسانی میں ہدایت کی ایک اور شکل "عقل" کی عطا ہے۔ عقل کے استعمال سے انسان حواس کی غلطیوں اور ان کی وجوہات کو جانچتا ہے اور انہیں دور کرنے کے اقدامات کرتا ہے۔

"فطری الہام "ایک مخصوص دائرے تک انسان کی کامل "رہنمائی" کرتا ہے۔اس کے بعد محسوسات کی دنیا ہے جو ہر روز آگے بڑھ رہی ہے۔ ایک روز میں جو چیز ہدایت لگتی ہے اگلے روز اپنے نقائص کو چھپانے سے قاصر ہوتی ہے۔ عقل اس پر منصفی کا کردار ادا کرتی ہے۔ان سب عطاوں کے علاوہ بھی انسان کو اپنے خالق اور کائنات سے ربط کے لیے ایسی رہنمائی درکار ہے جسے اپنا کر اس کی زندگی کے تمام لمحات نفع حاصل کریں اور ضائع نہ ہو جائیں اور اسے ہمیشہ کی زندگی میں راحت و سکون میسر آجائے۔

یادرکھیے:

"ایسی کامل ہدایت اور رہنمائی، ہمیشہ کی فلاح کسی مخلوق سے نہیں مل سکتی"۔

یہ کامل رہنمائی "خالق کی طرف سے ہدایت" ہے جو انبیاء و رسل کے ذریعے "دین" کی شکل میں انعام کی گئی ہے۔دین پر عمل کر کے انسان محسوسات اور عقل کی کوتاہیوں ،حیلوں اور بہانوں سے خود کو بچا کر " صراط مستقیم "پر چل سکتا ہے۔"دین" دنیا کی ظلمتوں میں موجود "نور" ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالی کا فرمان ہے:

(واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون)

"اللہ اپنے نور (دین) کو مکمل کرنے والا ہے چاہے کافر اسے ناپسندیدہ سمجھیں۔"

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

عبادت کیا ہے؟

سارا دن گھر کچن میں کھانے پکانے گھر کی صفائی ستھرائی کپڑے دھونے اور برتن مانجنے میں گزر جاتا ہے۔اور اگر گھر کے کاموں سے فراغت نصیب ہو جائے تو مہمان نوازی تمام وقت لے اڑتی ہے۔کوئی عبادت کو وقت کیسے دے؟

جی عبادتوں کو وقت صرف امیر دے سکتے ہیں۔ہمارے مولانے تو ہمیں اس حال میں رکھا ہوا ہے کہ دن بھر محنت مزدوری اور جگہ جگہ کی خاک چھانتے ہیں اور کپڑوں کی پاکی کا دھیان رکھنا قریبا نا ممکن ہے تو پھر کوئی عبادت کیسے کرے؟

پڑھائی اس قدر مشکل ہے۔کھانے پینے کا ہوش کرنا مشکل ہے۔اگر اچھی ڈگری نہ ملی تو دنیا میں گزارا مشکل ہو گا ۔اس سب کے ساتھ عبادت۔اللہ معاف کرنے والا ہے.

کوئی کچھ بھی کرلے میری صلاۃ الاوابین کی ادائیگی میں 30 منٹ لگ جاتے ہیں یہ وقت اگر میرے بزرگ ماں باپ بھی مجھے بلائیں تو میں نہیں دے سکتی۔ مہمان اپنی مرضی سے ائے تھے۔اب میں نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب تلاش کرون یا انہیں دیکھوں

بس بس خود کو زیادہ عابد و زاہد سمجھنے کی ضرورت نہیں۔پانچ وقت مسجد میں نماز ادا کرتا ہوں۔ایک مسلمان کی عبادت یہی ہے۔قیامت کے دن پہلا سوال اسی کا ہو گا۔اب تجارت کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ہر بات گاہک کو سچ سچ بتادی جائے۔تو لیجیے جناب اپ نے گھر آئے رزق کو خود ہی لات مار دی۔

میں نے اپنے بچوں کو نماز روزہ کی پابندی سکھائی ہے۔قرآن مجید کی روز تلاوت کرواتی ہوں۔آج کل بچیاں فیشن کے مطابق چھوٹے ڈریسیز نہ پہنیں تو اچھے رشتے کہاں نصیب ہوتے ہیں۔

آپ سمجھتے ہیں کہ ہم سارا دن لوگوں کی مدد اور تعاون میں ہی گزار دیں اور اپنی زندگی کے اصل مقصد عبادت کو فراموش کر دیں.

تقوی ایک مطلوب و پسندیدہ وصف

"ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ"،

"یہ (قرآن) وہ کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (یہ) ہدایت ہے ان پرہیز گاروں کے لیے"(سورۃ البقرۃ:2)

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالی نے جگہ جگہ "تلمیحات" کے ذریعے لمبے طویل قصوں، واقعات اور حقائق کو چند لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ تلمیح کے استعمال سے نہ صرف کلام مختصر ہو جاتا ہے بلکہ اس ایجاز سے بات کی تاثیر بھی بڑھ جاتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت میں اللہ تعالی نے "ذلک الکتاب" سے قرآن مجید کی طرف اشارہ کیا

اور

"لاریب فیہ"

کہہ کر سابقہ آسمانی کتابوں کی اس وقت کی حالت زار اور ان میں موجود تحریف و تبدیلی کو بیان کر دیا ہے۔ خصوصا مدینہ منورہ میں یہود اور ان کی کتاب مقدس میں شامل کی جانے والی کھوٹ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ سابقہ تمام آسمانی کتابیں محفوظ نہ رہیں کیونکہ ان کی حفاظت کی ذمہ دار متعلقہ امتیں تھیں لیکن یہ کتاب یعنی قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کوئی ردوبدل نہیں کر سکتا۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تبارک و تعالی نے خود لے رکھی ہے۔ فرمایا:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

"حقیقت یہ ہے کہ یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اُتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

(سورۃ الحجر:9)

کتب سابقہ میں در آنے والی تبدیل و تحریف کے باعث اب یہ کتب اعلی کردار کی تعلیم و تربیت کے لیے نفع مند نہیں رہیں بلکہ اب قران مجید ہی اللہ تعالی کی نازل کردہ ایسی کتاب ہے جو اللہ تعالی کی طرف سے پسندیدہ اخلاق کی

تعمیل و تکمیل کرے گی اور اس پر عمل پیرا افراد تزکیہ اور صفت تقوی سے متصف ہو کر اللہ کے محبوبین میں شامل ہوں گے اور

ہر امت کو "تقوی" جیسی پسندیدہ صفت کی تعلیم دی گئی۔ اسلام کے تمام شعائر و عبادات اسی صفت کا تقاضا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کیا صفت "تقوی" ایمان سے قبل بھی مطلوب ہے؟

دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ "ہدایت" حاصل کرنے کے لیے جن وانس میں پہلے سے تقوی کا ہونا لازمی صفت ہے۔

ھدی للمتقین "ہدایت ہے متقین کے لیے۔"

اگر تقوی پہلے سے موجود ہو تو قرآن مجید میں نماز روزہ حج زکوۃ سے متعلقہ تمام آیات جو ان عبادات کے نتیجے میں تقوی کی خوبی کا حصول قرار دیتی ہیں ان سب کا اور سورۃ البقرۃ کی اس آیت کا آپس میں کیا ربط ہے؟

لگتا یوں ہے کہ سورۃ البقرۃ کے آغاز میں جس تقوی کی بات کی گئی ہے وہ بعد والی آیاتِ تقوی سے مختلف ہے یا کم از کم تقوی کی ابتدائی کیفیت ہے جس میں انسان بالغ ہو جانے پر عقل کی صلاحیت کو استعمال کرتا ہے۔ اس کی دلیل اس آیت کے بعد والی آیات بتاتی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ (3)

"جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں خرچ کرتے ہیں۔"

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ(4)

"اور جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ پر، اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔"

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(5)

"وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں، اور وہی نجات پانے والے ہیں۔"

قرآن مجید بتاتا ہے کہ

ایمان بالغیب تقاضا کرتا ہے کہ انسان بالغ اور عاقل ہو۔

نماز کی فرضیت تب ہوتی ہے جب انسان بالغ اور عاقل ہو۔ سن تمیز میں ہو یعنی دائیں اور بائیں کا فرق معلوم ہو۔

مال کو اللہ کی راہ میں زکوۃ کے فریضہ کی ادائگی میں اور نفلی صدقہ و خیرات میں تبھی مانا جائے گا جب خرچ کرنے والا بالغ اور عاقل ہو اور وہ اس بات کی سمجھ رکھتا ہو کہ مال کی اصل ملکیت اللہ تبارک و تعالی کی ہے اور مجھے دنیا میں اسے خرچ کرنے کا وقتی اختیار دیا گیا ہے۔

متقی ایک ایسا بالغ اور عاقل انسان ہے جو اپنی سمجھ بوجھ اور فہم سے کام لیتے ہوئے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید کو من جانب اللہ وحی مانے اور وہ سلسلہ انزال وحی میں اس سے قبل نازل ہونے والی تمام کتب اور صحیفوں پر بھی ایمان رکھے۔

متقی ایک ایسا بالغ اور عاقل انسان ہے جو کائنات میں موجود زندگی کے ہر روپ کا مشاہدہ کرتے ہوئے جان لے کہ جو ایک دن پیدا ہوتا ہے اسے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔اسی طرح یہ دنیا بھی ختم ہو جائے گی تو یہ اختتام یعنی آخرت ہو گی۔

مطلب ہدایت پر عمل پیرا ہونے کے لیے بنیادی صفت بالغ اور عاقل ہونا ہے۔اسلام سے قبل بھی بہت سے لوگ فطرتا متقی ہو گزرے ہیں جنھوں نے اپنی عقل و فہم سے کام لیتے ہوئے برے اخلاق شراب اور جوئے کے استعمال اور بتوں کی عبادت سے خود کو دور رکھا۔ان کا ان برائیوں سے دوری اپنانا تقوی ہی کی ابتدائی شکل تھی۔

انکارِ نبوتِ محمدی = کُفر

ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ۔البقرة:6

"جو لوگ کافر ہیں انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لانے کے۔"

کافر کون ہے؟

رات "کافر" ہے، اپنے اندھیروں میں ہر چیز چھپا دیتی ہے۔

سورج کی روشنی کو چھپا دینے والے بادل "کافر" ہیں۔

نعمت کو دوسروں سے چھپا دینا "کفر" ہے۔

ایمان باللہ کی دعوت آنے پر ایمان لانا واجب ہو گیا۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار "کفر" ہے۔

"کفر" کی حقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کو مکمل طور پر مسترد کر دینا

یا

اس کے بعض حصے کا انکار کرنا ہے۔

کفار کو دعوت و تبلیغ دین اتمام حجت کے لیے ہے۔

ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش، اخلاص اور حسرت کی طرف اشارہ ہے جو باوجود کفار کے انکار کے جاری رہی مبادا وہ ایمان کی طرف پلٹ آئیں۔

آیت مبارکہ میں اگرچہ "الذین کفروا" کہا گیا ہے تاہم اس سے مراد ہر "کافر" نہیں۔ آیت کا مصداق مدینہ منورہ کے گردونواح میں بسنے والے یہودی احبار مثلاً حی بن اخطب اور کعب بن اشرف اور ان جیسے دوسرے لوگ مثلاً ابو جہل جو علم و معرفت رکھنے کے باوجود رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے انکاری ہوئے۔ یہ منکرین نبوت آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے قبل نازل ہونے والی وحی پر ایمان لاتے مگر آپ پر اترنے والی وحی کا انکار کرتے رہے۔ ایسے "کافر" جنہوں نے حق سننے اور علم رکھنے کے باوجود اس پر کان نہیں دھرا۔ رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے حسد میں مبتلا ہوئے۔ اپنی فطرت کو آلودہ کر لیا۔

آیت مبارکہ میں ان مخصوص "کافروں" کے خاتمہ علی الکفر کی پیشنگوئی موجود ہے جو یوم بدر کو پوری ہو گئی۔

اللہ سبحانہ و تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی بھی دی ہے اور مستقبل سے آگاہ بھی کر دیا ہے۔ آپ انہیں ڈرائیں... خبردار کریں ...یا نہ کریں...ان کے لیے برابر ہے۔ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہو گی۔ اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ کے فریضے کی ادائیگی پر اجر ملے گا۔

☆☆☆☆☆

تجدید ایمان

دورخے اشخاص کسی بھی معاشرے اور اجتماعیت کے بنیادی ڈھانچے کو تہس نہس کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ مفاد پرست ٹولہ دنیا کی ہوس میں اس قدر آگے چلا جاتا ہے کہ انہیں اپنے عقائد کے بگڑنے کی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں منافقین کا ذکر قیامت تک دیدہ عبرت نگاہ کے لیے تفصیل سے دیا گیاہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰى شَيٰطِيۡنِهِمۡ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَهۡزِءُوۡنَ

"اور جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اور جب یہ اپنے شیطانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں یقیناً ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کے ساتھ مذاق کرتے ہیں۔"

ان آیات میں منافقین کا مومنین اور شیاطین کے ساتھ خطاب میں الفاظ کا چناو بہت سے اسرار کھول دیتا ہے۔ جب منافقین مسلمانوں سے ملاقات کرتے ہیں تو ان کے الفاظ میں ایک عمومیت ہے:

آمنا۔

ہم ایمان لائے۔

تاہم جب اپنے شیاطین یعنی کفر و منافقت کے سرکردہ افراد کعب بن اشرف مدینہ میں، ابوبردہ اسلمی بنو اسلم میں، ابوالسوداء شام میں، عبد الدار جہینہ میں سے اور عوف بن مالک بنو اسد سے، وغیرہ

یعنی ہر گمراہ اور سرکش شیطان سے ملتے ہیں تو تاکید اور اصرار کے کلمات سے یقین دلاتے ہیں:

انا معکم۔

یقیناہم تمہارے ساتھ ہیں۔

یہاں الفاظ میں اصرار صاف نظر آتا ہے۔ گویاوہ اپنے ساتھیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ مبادا مسلمانوں کے سامنے کہے گئے ہمارے ایمانی دعوؤں کو آپ سچ سمجھ بیٹھیں۔ حقیقت میں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور ہم مسلمانوں کے ساتھ مذاق اور استہزاء کرتے ہیں۔

منافقین کے تصنع کی مثال یہ بھی دی جاتی ہے کہ انہیں ایسی مکاری وفریب بھی آتا ہے کہ ایک وقت میں وہ ایک آنکھ سے آنسو بہاسکتے ہیں جب کہ دوسری آنکھ بالکل خشک ہوتی ہے۔ مراد دورخے افراد ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالی نے سزاان کے عمل سے ہی مقرر کر دی ہے۔ جیسی کرنی ویسی بھرنی

اَللّٰہُ یَسْتَہْزِئُ بِہِمْ وَ یَمُدُّھُمْ فِیْ طُغْیَانِہِمْ یَعْمَھُوْنَ(البقرۃ:15)

"اللہ ان سے استہزاء کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔"

دنیا میں جابر ظالم سرکش اور دو موہنے افراد کی اکثریت مال و دولت کی ریل پیل اور بڑے بڑے عہدوں اور جاگیروں پر براجمان نظر آتے ہیں۔۔ منافقین کی محض دکھنے والی یہ خوشحالی اللہ تعالی کی طرف سے ان کی سرکشی میں دی جانے والی ڈھیل ہے جس میں وہ انہیں خود اندھا بہرا بنا کر بھٹکا رہا ہے اور وہ نادان اسے اپنی کامیابی جانتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

ضد تکبر اور عناد کے اثرات

جب ضد اندر سے اٹھ جائے تو آواز آنے کے باوجود سنائی نہیں دیتا۔ حق سے مخاصمت ہو تو بہترین قوت گویائی رکھنے کے باوجود اقرار میں ایک لفظ نہیں نکلتا۔ حادثہ سامنے ہوتا ہے پر دکھائی نہیں دیتا۔

ہر ایک کو شکوہ ہے:

اولاد کہا نہیں سنتی۔

یاروں، محلے داروں اور رشتہ داروں کو ایک طویل وقت ساتھ گزارنے کے باوجود ہمارے حالات کی مخدوشی دکھائی نہیں دیتی۔

معاشرے میں غیبتوں کو سننے کے باوجود زبانیں مظلوموں کے دفاع اور حمایت میں ایک لفظ بولنے سے بھی قاصر رہتی ہیں۔

کون اپنے لیے مصیبت کا سامان کرے؟؟؟

کفار مکہ بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "صادق" اور "امین" پکارتے۔ اپنی امانتیں ان کے پاس رکھوا کر بے فکر ہو جاتے۔ انہیں "شریف" مانتے۔ کریم ابن کریم مانتے۔ جو کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

دعوت اسلام کا اعلان کرنا تھا کہ سب بدل گیا۔ اکثریت ضد اور ذاتی مفادات میں مبتلا ہو گئی۔

وہ صادق و امین شخصیت جو اپنی صداقت اور امانتداری کے باعث الگ تعارف رکھتا تھا۔ جس کی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے۔ نبوت کا اعلان کرنا تھا کہ انہیں اس عالی نسب کی ہر خوبی دکھائی دینا بند ہو گئی۔ ہدایت کی آواز کو بغض و عناد نے روک دیا۔۔۔

وجہ؟

اگر اس کے کردار کی خوبیوں کا اقرار اب کر لیا تو سرداری گئی۔ حکومت گئی۔۔۔ سبھی کچھ گیا۔

اسی پر اللہ تبارک و تعالی نے ان کی حالت کے کبھی نہ بدلنے کی خبر ان الفاظ میں دی:

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (سورۃ البقرۃ:18)

"وہ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھے ہیں چنانچہ اب وہ واپس نہیں لوٹیں گے۔"

ان کفار میں سے چند نام یہ ہیں:

ابو جہل، ابو لہب، ولید بن مغیرہ اور عقبہ ابن ابی معیط۔ یہ سب اس آیت کے نزول کے وقت زندہ تھے۔ 2 ہجری میں غزوہ بدر میں اسی حالت بغض میں واصل جہنم ہوئے اور آیت میں موجود خبر کی حقانیت واضح ہو گئی۔

اس آیت اور اس کے بعد میں آنے والی دوسری مثال کا تعلق ان کفار سے خاص اور منافقین سے عام ہے۔ پہلی مثال میں ایک شخص کے آگ جلانے کا تذکرہ تھا۔ اشارہ صاحب بصارت و بصیرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اور دعوت اسلام کی طرف تھا۔اس مثال میں کلمہ "مثلھم" منافقین کے لیے تھا جس کی بقیہ خبر صم بکم عمی کے اوصاف ہیں۔دونوں ضمیروں میں فرق یادرکھنا چاہیے۔

صلی اللہ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆☆☆

معبود کی پہچان کی الوہی ہدایت

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (22)

"جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے، سو کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ حالانکہ تم جانتے بھی ہو۔"

اللہ رب العزت کا تعارف:

- مجھے اور سب انسانوں کو پیدا کرنے والا رب عبادت کا واحد حق دار ہے۔
- وہ ذات جس نے زمین کو انسانوں کے رہنے بسنے، چلنے پھرنے کے لیے سنوار کر "فرش" بنا دیا ہے وہی رب عبادت کا حق دار ہے۔
- وہ اللہ ہے جس نے آسمان کو ہمارے سروں پر چھت بنا کر رکھا ہے۔
- عبادت کا واحد حق دار اللہ تبارک و تعالی ہے جس نے آسمان سے پانی کو بارش کی صورت برسایا۔ یہ پانی زمین میں پھلوں سے رزق بڑھانے کے لیے بہترین ہے۔
- یہ سب سوچو اور سمجھو۔ یہ سب جان لینے کے بعد اللہ کا شریک کسی کو بھی مت بناؤ۔

☆☆☆☆☆

نجات

زندگی میں مختلف انواع و اقسام کے عذاب انسانی زندگی کو درپیش رہتے ہیں۔کچھ عذاب ذہنی اور روحانی اور کچھ جسمانی ہوتے ہیں اور بعض میں روح و جسم دونوں ہی گھائل ہو جاتے ہیں۔

نجات دہندہ اور مکتی کی تلاش میں بہت سے نظریات جنم لیتے رہے ہیں۔ حقانیت کی تلاش میں عقائد کی چھان بین کا تسلسل جاری ہے۔ حضرت یعقوب کی اولاد کو نعمتوں میں سے نجات کی یاد دہانی کراتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ(البقرہ:49)

"اور جب ہم نے تمہیں فرعونیوں سے نجات دی، وہ تمہیں بری طرح عذاب دیا کرتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔"

آل فرعون کی طرف سے پہنچنے والا عذاب جسمانی و نفسیاتی تھا۔بیٹے قتل ہو جانے سے پہنچنے والا دکھ اور عذاب طویل مدت تک اثر انداز ہونے والا تھا۔اسی لیے اللہ تعالی نے اسے "سوءالعذاب" کا نام دیا۔یہاں اللہ تعالی نے غیر محسوس انداز سے گنجل کھول دیا ہے کہ بظاہر یہ آل فرعون کی طرف سے دیا جانے والا عذاب تھا اور حقیقت میں رب کی طرف سے لی جانے والی بڑی آزمائش تھی۔اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو اس آزمائش سے نکالا اور اس نعمت کے تذکرہ میں فرمایا :

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ(البقرہ:50)

"اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا تو ہم نے تمہیں بچالیا اور فرعونیوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔"

آزمائش عقائد کی ہو یا دیگر دینی معاملات میں ہو سیاسی معاشی یا معاشرتی ہو نجات دینے والا اللہ سبحانہ وتعالی خود ہے ۔تاہم عالم اسباب میں تعلیمات کے فروغ کے لیے اپنے نمائندہ و چنیدہ پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعے اس نے

انسانیت کو گمراہی سے بچانے کا بہترین انتظام کیا۔ یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور رسول اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر ہوا۔

ان آیات کو پڑھ کر شعور بیدار ہوتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی اپنی زندگی میں کسی مشکل اور پھر اس سے ملنے والی نجات پر غور کرے۔

کیا وہ نجات دہندہ اللہ خود نہ تھا؟

یا اس کے سوا کوئی اور بھی تھا؟

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆☆☆☆☆

چالیس راتیں

چالیس کے عدد کی حکمتیں اسرار اور خوبیاں زندگی کے ہر شعبہ کے ماہرین کے ہاں خاص اہمیت کی حامل نظر آتی ہیں۔

وَ اِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤی اَرۡبَعِیۡنَ لَیۡلَۃً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ(البقرہ:51)

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر اس کے بعد تم نے گوسالہ کو (بغرض پرستش) اختیار کیا اور تم ظالم بن گئے۔"

اولادِ یعقوب کو چالیس راتیں یاد دلانا، ان کی حق شناسی کو پھر سے مہمیز کرنے کی ایک راہ لگتی ہے۔

کیا آپ سے کبھی غلط فیصلے ہوئے؟

کیا کبھی آپ نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت کسی دوسرے کی اندھی تقلید میں رگید ڈالا؟ باوجود اس کے کہ رب کا وسیلہ، حق شناس آپ کے ساتھ ساتھ رہا لیکن اپنی ہوا و ہوس میں اسے نہ پہچانا؟

غرور کس بات کا؟ فخر کس بات کا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد، دنیا کی امامت اور ہدایت کے لیے چنی گئی قوم کے افراد کی سینکڑوں سال کی تعلیم توحید "چالیس راتوں" میں غارت ہو گئی۔

قصور سامری کے بچھڑا بنا کر انہیں اس کی عبادت کی دعوت دینے کا تھا؟

قصور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انہیں محض چالیس راتیں وہ بھی اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کے ذمے لگا کر طور جانے کا تھا؟

قصور اندھی تقلید کا تھا؟ شعبدہ بازیوں سے متاثر ہونے کا تھا؟

۔۔۔۔کیا تھا؟

ٹھوکر کوئی بھی کھا سکتا ہے۔ ضرورت حق و باطل میں فرق کرنے کی تمیز کو صیقل رکھنا ہے ورنہ گمراہی و ضلال مقدر۔

☆☆☆☆☆

معافی_احسان مندی

کون سی غلطیاں معاف کی جانی چاہییں؟

دعوت میں پورے خاندان کو بلایا صرف مجھے نظر انداز کیا۔ اس غلطی کا ازالہ تو کرنا پڑے گا۔

مجھ سے آگے نکلنے کی غلطی۔ دماغ درست کرنا پڑے گا۔

کانٹریکٹ کر کے عہد شکنی کی۔ تاوان اور دفعات بھگتنی تو پڑے گی۔

جی ساری زندگی میں جانے انجانے میں دوسروں کی غلطیاں گنتے چلے جاتے ہیں معاف کرنے کی ہمت بدلہ لینے کی سوچ کے وزن کے نیچے کہیں دب جاتی ہے۔ اٹھ نہیں پاتی ہے۔

انسان انسانوں سے عفو و درگزر نہیں کر پاتے ادھر ہمارے خالق و مالک کی عظمت و بڑائی دیکھیے۔

بنی اسرائیل پر پے درپے نعمتوں اور احسانات کے انبار لگا دیے۔تسلسل سے ہدایت کے لیے انبیاء ورسل ساتھ رہے۔بس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چالیس راتوں کے لیے ان سے دور رہنا تھا کہ توحید کے اسباق بھولے اور ایک بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے۔

اللہ تعالی معبود برحق کی جگہ کسی اور کی عبادت کرنا شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

اس پر بھی خالق ارض وسماء کہتا ہے :

ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ(البقرۃ:52)

"پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا کہ شاید تم شکر گزار بن جاوَ."

اللہ تعالی نے قوم بنی اسرائیل کے مشرکانہ اطوار کو بھی معاف کر دیا۔درگزر کیا اس پر اللہ رب العزت کی شکر گزاری،احسان مندی ان پر واجب تھی۔

یوں اولاد یعقوب "پدرم سلطان بود" کا نعرہ لگا کر خود کو صالح نہیں گردان سکتی۔"اپنے لیے نیک اعمال خود کرنا ہوتے ہیں"۔

"معافی ملنے پر شکر گزاری مطلوب عمل ہے"۔

کیا ہم "شکر گزاری" کا رویہ اپناتے ہیں یا تکبر میں مبتلا رہتے ہیں۔تکبر انسان کے لیے روا نہیں۔

☆☆☆☆☆

یادداشت____تم خاص ہو۔

یادداشت کیسے کام کرتی ہے؟لائبریری میں ایک موضوع کی کتابیں ایک شیلف میں اکٹھی کر دی جاتی ہیں۔اسی طرح ذہن میں یاددوں کی بھی الگ الگ شیلف ہوتی ہیں۔ہر یاد اپنے موضوع سے متعلقہ شیلف میں پڑی ہوتی ہے۔جونہی ان سے متعلقہ بات چلتی ہے تو یکے بعد دیگرے یاد کی متعلقہ الماریاں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

بنی اسرائیل کو بھی توحید اور شرک کی یادداشتوں کے ساتھ ایک اور یاد دلائی جارہی ہی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر چالیس راتیں گزارنے اور "الکتاب" اور "الفرقان" عطا ہونا تا کہ بنی اسرائیل ہدایت حاصل کر سکیں۔

وَ اِذۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ الۡفُرۡقَانَ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ(البقرۃ:53)"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو (توریت) کتاب اور فرقان (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا قانون) عطا کیا تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔"

خوبصورت بات یہ ہے کہ موسی علیہ السلام کو الکتاب کی تعلیمات ،بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے دی گئیں۔

آیت میں نزول وحی اور اس کی حکمت دونوں کی بات کی گئی ہے۔

یعنی خالق نے تمہارے ظلم پر تمہیں بھٹکنے کو نہیں چھوڑا۔تم سے ناامید نہیں ہوا اور تمہاری ہدایت کے لیے نبی اور کتاب مخصوص کی۔یعنی یاد رکھو "تم اپنے معبود کے لیے کس قدر خاص رہے ہو"۔

☆☆☆☆☆

انسان سب سے بڑا ظلم کس کے ساتھ کرتا ہے؟

والدین کے ساتھ!

اولاد کے ساتھ!

رشتہ داروں کے ساتھ!

آس پڑوس اور علاقے والوں کے ساتھ!

دوستوں کے ساتھ!

نہیں نہیں۔

انسان سب سے بڑا ظلم اپنی جان پر کرتا ہے جب وہ خود کو "خالق" کی بندگی کی بجائے "مخلوق" کی مخلوق گردانتا ہے۔وہ مخلوق کو اپنا "مالک" جان کر ظلم عظیم میں مبتلا ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل :اللہ کے بندے یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے حضرت موسی علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بچھڑے کی پوجا سے دل بہلانا شروع کر دیا۔توحید کا سبق قصداً بھلا دیا۔انہیں اس ظلم اور اس پر توبہ کی یاددہانی اللہ تعالیٰ نے یوں کرائی:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

(البقرۃ:54)

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو، اپنے آپ کو آپس میں قتل کرو، تمہاری بہتری اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسی میں ہے، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی، وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے۔"

اس جرم سے رہائی اور توبہ کے لیے ایک سزا اللہ نے مقرر کی وہ بنی اسرائیل کا آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنا تھا۔

انہوں نے جب اس حکم پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عملی توبہ کو قبولیت بخشی۔ ان پر رحم فرمایا۔

اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہر فرد کو در اصل اپنی انا اپنے نفس اور اپنی خواہشات کو قتل کر کے اللہ توّاب کی رحمت کی جستجو کرنا ہوتی ہے۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو پوجنا دراصل اپنی خواہشات اور ہوی و ہوس کو معبود بنانا ہے۔ اس میں تقریباً آج کا ہر فرد مبتلا ہے۔ اللہ ہمیں اس ظلم سے بچائے۔ اپنی طرف رجوع کی توفیق دے۔ ہمیں ہمارے نفس کے حوالے نہ کرے۔ ہم پر رحم کرے۔ آمین

☆☆☆☆☆

کانٹریکٹ (میثاق) پر عمل کے تقاضے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (63)

"اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طور بلند کیا، جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوط پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔"

سورت بقرہ میں بنی اسرائیل کے اعمال کی تذکیر پڑھتے ہوئے ایک پنجابی محاورہ رہ رہ کر یاد آتا ہے:

"نوئے کم کر، دھیے کن دھر "۔(بہو کو کام کرنے کا جب زبان سے حکم دیا جائے تو عقلمند بیٹیاں بھی خود بخود کام میں ہاتھ بٹانے لگتی ہیں ان کی عزت اسی میں ہے کہ خود بخود کام آمادگی سے انجام دیں اور اپنے والدین کی عزت اور فخر کا باعث بنیں)

امت مسلمہ کو بنی اسرائیل سے متعلقہ ان آیات سے کچھ ایسا ہی سبق لینے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل سے کئی مواثیق لیے۔ مثلا اللہ تعالی کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنے کا عہد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان مدد اور نصرت اور ان پر ایمان لانے کا عہد، تورات کو مضبوطی سے تھامنے کا عہد، تورات کے احکامات کو کھلم کھلا بیان کرنے اور انہیں نہ چھپانے کا عہد وغیرہ وغیرہ۔

بنی اسرائیل کا شیوہ یہ رہا کہ انہوں نے اپنے رب خالق مالک اللہ کی کسی نعمت اور ہدایت کو خاطر میں نہ لایا۔ وہ اللہ کی نافرمانی میں اس قدر بیباک ہوگئے کہ اگرچہ حضرت موسی کلیم اللہ ان کے درمیان تھے، اللہ نے اپنے احکام کی پابندی کرانے کے لیے ان پر طور کو بلند کیا۔ اس طرح موت سے ڈر کر وہ تورات پر عمل کے لیے کچھ آمادہ ہوئے۔

(خذوا ما آتینا کم بقوۃ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا(یعنی تورات) قوت (بھرپور جد اور اجتہاد اتباع و عمل) سے اسے پکڑو۔

اللہ تعالی کے کتاب نازل کرنے کا تقاضا اس پر فکر و تدبر اور "عمل" کرنا ہے نہ کہ محض زبان سے اس کی تلاوت و قراءت۔

"شریعت پر عمل کو افراط و تفریط سے بچانا ہے"۔۔۔

یہی صورت انسان کی طاعات و عبادات میں رغبت اور معاملات میں استقامت و درستی پیدا کر سکتی ہے۔ اسے شگفتہ چست اور چاک و چوبند بنا سکتی ہے۔

کتاب (احکام شریعت) کو قوت سے پکڑنے کے مفہوم پر تدبر ضروری ہے ورنہ غیر فطری سہولت پسندی اور رخصتوں کی سطحی خواہشات، دوسری طرف غلو اور حیلہ بازی سے شریعت منہدم ہو جائے گی۔ انسان شارع کے مقاصد یعنی شریعت پر عمل کو اپنے گلے کا پھندا قرار دے کر اسے اپنے گلے کا طوق جان کر اتار پھینکے گا۔

ابھی ہماری زندگی کو درپیش ایک بڑا مسئلہ اس دور میں شریعت پر عمل ہی تو ہے۔

اس سلسلے میں مسلمانوں کی اکثریت جس افراط و تفریط کا شکار ہو رہی ہے اس میں اس کی رہنمائی اور تربیت بہت اہم ہے۔ اپنی زندگیوں اور روزانہ معمولات میں اسلامی شریعت پر عمل اللہ تعالی کی طرف سے ڈالی گئی وہ ذمہ داری ہے جو سب انسانوں پر ڈالی گئی ہے۔ کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے والا معاشرے کا ہر فرد قرآن پر عمل کرنے کا پابند ہے۔

اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے مجھے اور آپ کو زندگی کی اس نعمت سے آج اور ابھی سے تیاری پکڑنی ہے۔

تو پھر۔۔۔۔

تیار ہیں؟؟؟

اپنی تیاری کا حال شامل کر کے اس خیر کی کاوش میں حصہ ڈالیے۔

☆☆☆☆☆

حیلے

حیلوں پر جب کبھی بحث ہو گی یہود کا "یوم سبت" لازمانوک زبان پر اترے گا۔ بنی اسرائیل پر مسلسل نعمتوں اور ان کی مسلسل نافرمانیوں میں سے ایک نافرمانی ہفتے کے دن آزمائش بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے یہودیوں کو ان کے آباواجداد کے غلط طرز عمل بتا کر اس سے بچنے کی نصیحت کی جارہی ہے۔

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ(البقرۃ:65)

"اور بے شک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں کے وہ جنھوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے فرمایا کہ ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔"

اللہ تعالی نے ہفتے کے چھ دن ان کو ضروریات زندگی کے لیے کام کاج کی اجازت دے رکھی تھی۔بس ہفتے کے دن کی مناہی تھی۔

آزمائش سخت تھی ۔یہ قوم مقام ایلہ بر لب ساحل آباد تھی۔ان کا پیشہ مچھلیاں پکڑنا تھا۔عام دنوں میں اتنیمچھلیاں نظر نہیں آتی تھیں جتنی ہفتے کے دن۔اس قدر مچھلیاں دیکھ کر ان کا ایمان ڈولتا۔بالآخر اس مسئلے کے حل کے لیے انہوں نے اپنے تیئں "حیلہ "کیا۔ساحل کے پاس گہرے حوض بنائے۔ہفتے کے دن کثیر تعداد میں مچھلیاں تیز موجوں میں بہہ کر آتیں اور وہ ان گہرے حوضوں میں پھنس جاتیں اور بہہ کر واپس نہ جا پاتیں۔وہ اتوار کے دن جا کر انہیں آسانی سے شکار کر لیتے۔

"اس حیلے کو اللہ تعالی نے ان کی عقلمندی قرار نہیں دیا بلکہ اللہ تعالی ناراض ہوا اور اسے حکم عدولی قرار دیا"۔

اللہ کے حکم کی اہمیت کو نہ سمجھنے کی ان کی روایت تسلسل سے آ رہی ہے۔البقرہ کی پچھلی آیات اس کی گواہ ہیں۔

حکم پر عمل نہ کرنے والوں کو اللہ تعالی نے سزا میں "قردۃ"یعنی بندر بنا دیا۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ(البقرۃ:66)

ترجمہ :

"تو ہم نے اس بستی کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کر دیا اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت موعظت اور نصیحت متقین پر کارگر ہوتی ہے۔آیئے اپنی زندگی میں سے ایسے تمام حیلے ترک کر دیں جس سے حکم الٰہی کی نافرمانی ہوتی ہے۔"

آپ کے پاس بھی ان روزمرہ زندگی میں درپیش ان حیلوں کی کچھ مثالیں ہیں۔ان کا تعارف کرایئے اور بچنے کی راہیں سلجھایئے۔۔۔۔

قرآن فہمی میں اپنا حصہ ڈالیے۔

☆☆☆☆☆

قاتل کی تلاش۔۔۔۔

کے لیے جانور ذبح کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

جی ہاں

یہ وہ سوال ہے، جو "مناسبت" تلاش کرنے والے اصحاب عقل و دانش قوم موسیٰ علیہ السلام کا تھا۔

بندہ قتل ہو چکا۔

اب قاتل کو ڈھونڈنے اور گائے کو ذبح کرنے میں کیا مناسبت ہے؟

اسی لیے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کا حکم سنایا:

وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (البقرة:67)

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، انہوں نے کہا کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے، کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ جاہلوں میں سے ہوں۔"

"حکم" اور واقعے میں "مناسبت" تلاش کرنے والوں کی عقل "حکم" درست ہونے سے انکاری ہو گئی۔

قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کہیں تفریح طبع کے لیے یہ مذاق تو نہیں؟

بہت اہم ہے:

یہ سوچنا ہے کہ ترازو کے ایک پلڑے میں رب کا حکم ہے جسے اللہ کا نبی خود سنا رہا ہے

اور

دوسری جانب غیر نبی وہ لوگ جو نہ تو حقائق کو جانتے ہیں اور نہ ہی حقیقت اولیٰ: اللہ تبارک و تعالیٰ کی پہچان اور معرفت رکھتے ہیں محض اپنی عقل اور مشاہدے کو حکم اور وحی کے مقابلے میں تول رہے ہیں۔

ہمیں یہی سمجھنا ہے کہ

"عقل" اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی نعمت ہے اسے "وحی کی اتباع" میں خرچ کرنے سے درست نتائج حاصل ہوں گے۔"

اللہ تعالی کے احکام میں اپنی عقل کی مدد سے درست "مناسبت" تلاش کرنے میں کچھ افراد ایسے جذباتی ہو جاتے ہیں کہ جو خود کو سجھائی دیا وہی درست اور دوسری کسی رائے کی گنجائش نہیں دیتے۔ اسی کو عقل کل مانا جائے۔

حضرت موسی نے اپنی قوم کو گائے ذبح کرنے کا حکم پہنچایا۔ قوم کا کام، اعتراض کرنا نہیں بلکہ پیروی کرنا تھا۔ بے چون وچرا اس اطاعت پر ثواب الگ ملتا اور اللہ کے نبی کا ساتھ۔۔۔۔۔ اس عمل کے بروقت اور نافع ہونے کا ثبوت ہوتا اور دل کی تسلی و تشفی کا باعث بنتا۔

مسلمان اپنے کردار پر نظر ڈالیں۔۔۔۔۔

سوچیے

"مجھ تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احکام پہنچے میں نے انہیں درست ماننے کے لیے مناسبتیں ڈھونڈنے میں وقت اور دھیان صرف کیا ہے یا اتباع کی کوششوں میں؟"

مثالیں:

1۔ سرقہ (چوری) ثابت ہونے پر ہاتھ پیر کاٹنے پر اعتراض۔

2۔ تخلیہ میں نامحرم مرد اور عورت کی ملاقات کی مناہی پر اعتراض

3۔ خوشیوں شادی بیاہ اور دیگر مواقع پر نمود و نمائش اور اسراف سے بچنے کی تعلیمات پر اعتراض

4۔ تمسخر اور استہزاء سے بچنے کی تعلیمات پر اعتراض

5۔ اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنانے کے لیے استعماری زبان اور طریقوں پر عمل۔۔۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

ایمان کا تقاضا ہے کہ قیل و قال اور حیل و حجت پیش کر کے فرار ہونے کے بجائے کہیں "اسلمت"۔۔۔ پھر دیکھیے اللہ کی دی ہوئی آسانیاں بھی میسر ہوں گی۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

☆☆☆☆☆

وہ کرو جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے

کیس سٹڈی:

کمرے میں ماں بیٹی موجود ہیں۔ کمرے کا واحد دروازہ کھلا ہے۔

والدہ: دروازہ بند کر دو۔ دروازہ مگر کیوں؟

کون سا دروازہ؟

ہمارے کمرے کا؟

یا وہ سامنے باجی کی کمرے کا؟

یا باہر صدر دروازے کا؟

یا

پھر دل کا دروازہ؟

کیا اس حکم کو سمجھنا ایسا ہی مشکل تھا

یا

یہ پس و پیش بیٹی کی نافرمانی ہے،

یا غائب دماغی کی کیفیت ہے،

یا وہ کسی شدید نفسیاتی الجھن میں ہے،

یا اسے اپنے کمرے کے دروازے سے زیادہ باجی کے کمرے کا دروازہ بند کرنے کی فکر ہے،

یا اسے صدر دروازے سے کسی ان چاہی شخصیت کے آدھمکنے کی فکر ہے،

یا

اسے گرمی لگ رہی ہے اور وہ اس سے بچنے کے لیے انجان بن رہی ہے۔

یا

اسے والدہ کے سامنے اپنی کسی کوتاہی یا راز افشا ہونے کا ڈر ہے؟

یا اسے حکم دینے والی کی ذہنی صحت پر شبہ ہے؟

جو کچھ بھی ہے۔ جو چیز مد نظر رکھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ جب" محکم "واضح حکم کی سمجھ نہ آئے تو مسئلہ ایمان کی پختگی میں ہے۔ مسئلہ "اسلمت"(میں فرمانبردار ہوا) میں ہے۔ مسئلہ تعلق میں ہے۔ حاکم کے مقام سمجھنے میں ہے۔۔۔ یا کچھ اور۔۔۔۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ -قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ- عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ-فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ(البقرة:68)"انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جو نہ تو بوڑھی ہے اور نہ بالکل کم عمر بلکہ ان دونوں کے درمیان ہو۔ تو وہ کرو جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے۔"

قاتل کے بارے میں جاننا ہے تو اے بنی اسرائیل گائے ذبح کرو۔

کیا یہ پیغامبر کا مذاق ہے؟

اچھا اپنے رب سے پوچھ کر بتاو۔

گائے کیسی ہو؟

نہ بوڑھی اور نہ کم عمر۔ ان کے درمیان والی عمر کی گائے ذبح کرو۔

بے جا سوال نہ کرو۔ جو کہا جارہا ہے وہ کرو

کیا اب بھی سوال اٹھ سکتا ہے کہ گائے کیسی ہو؟

اور اگر ابھی بھی حکم سمجھ نہ آئے تو وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

فافعلوا ما تؤمرون..

یہ حکم صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے؟

☆☆☆☆☆

خَيرُ الْاُمُورِ اَوْسَطُهَا

"ہر کام میں بہترین راہ افراط و تفریط سے بچنا ہے۔"

یہ اصول قرآن مجید کی بیشتر آیات سے ملتا ہے۔

ان میں سے ہی ایک آیت سورۃ البقرۃ کی آیت 68 ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ -قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ-عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ-فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ(البقرۃ:68)"انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جو نہ تو بوڑھی ہے اور نہ بالکل کم عمر بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان ہو۔ تو وہ کرو جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے"۔

یہود کا اللہ تعالی کی بارگاہ میں نبی موسی علیہ السلام کے ذریعے غیر ضروری سوالات کرنا دنیا بھر کے سلیم الفطرت لوگوں کو عبرت دلاتا ہے اور دلاتا رہے گا۔

تعلیم و تعلم کے کچھ اور پہلو بھی اسی آیت میں موجود ہیں:

"آیت میں وسطیت کی فکر کی تعلیم دی گئی ہے۔ دو انتہاوں سے بچتے ہوئے درمیان کی راہ اختیار کرنا"

"گائے کیسی ہو؟"

ایک غیر ضروری سوال تھا۔ ایسے سوال پر عتاب اور غصہ ہونا ممکن ہے۔۔۔

لیکن اللہ حکیم علیم رووف رحیم کا جواب "حکمت" سے بھرپور:

نہ بوڑھی ہو اور نہ نو عمر

بلکہ

ان دونوں کے درمیان کی عمر کی ہو۔

اس سوال و جواب سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ

1۔ "جب رہنمائی کرو تو جاہل کے رویے کو دیکھ کر جوابی جہالت پر نہ اترو بلکہ حق پر استقامت اور حکمت سے رہنمائی کرو"۔

2۔ کاموں میں افراط و تفریط کی انتہاووں سے بچنا بہت سی مصیبتوں سے بچالیتا ہے۔

میانہ روی بہترین انتخاب ہوتا ہے چاہے تعلقات بنانے میں ہو۔رویوں میں ہو۔مال خرچ کرنے میں ہو۔دنیاوی آسائشات جمع کرنے میں ہو۔وغیرہ۔

☆☆☆☆☆

تحلیل کلام

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ط -قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ط-عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ-فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ(البقرة:68)

"انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتادے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جو نہ تو بوڑھی ہے اور نہ بالکل کم عمر بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان ہو۔تو وہ کرو جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے۔"

بنی اسرائیل کے اس انداز پر غور و فکر کریں۔معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک ان کے دماغوں میں سرکشی کا سودا سمایا ہوا ہے جو انداز تکلم سے صاف نظر آتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتایا کے قاتل کی حقیقت جاننے کے لیے اللہ رب العزت نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔حکم پر عمل تو یوں کرنا چاہیے تھا کہ کوئی بھی گائے پکڑتے اور ذبح کر لیتے۔حکم پورا بھی ہو جاتا اور کٹ حجتی کا رویہ قیامت تک کے لیے ان کے ماتھوں کا جھومر بھی نہ بنتا۔

اس کٹ حجتی کے رویے کو پچھلی آیات سے ملا کر فکر و تدبر کریں تو گائے کے سلسلے بچھڑے سے ملتے دکھائی دیتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے۔بنی اسرائیل پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو نگران بنا کر گئے۔بنی اسرائیل نے ان کی ہدایات کو پس پشت ڈال کر بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔ بچھڑے کی محبت ان کے رگ و ریشہ میں رچ بس گئی تھی۔ایک طرح سے گائے ذبح کرنے کا حکم ان کی اسی مشرکانہ رگ پہ چلایا گیا تھا۔گائے کو ذبح کرنا ان کو بہت بھاری لگ رہا تھا۔اس سے بچنے کے لیے سوالات شروع کر دیے۔

الفاظ میں سرکشی یہ ہے کہ بجائے یوں کہتے کہ "اے موسیٰ ہمارے رب سے ہمارے لیے درخواست کیجیے"۔بے نیازی اور بے اعتنائی سے یوں بولے اپنے رب سے یہ دعا کرو۔ گویا تمہارا رب ہے ہمارا نہیں۔

☆☆☆☆☆

رنگ۔جمال اور سرور

رنگوں کا اختلاف بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

جب رنگ کی بات کریں تو دھنک کے سات رنگ مجسم ہو کر ہر اس ذہن پر دستک دیتے ہیں جنہیں بارشیں اچھی لگتی ہیں۔جو فطری مناظر دیکھنے اور محسوس کرنے کے لیے وقت نکالتے ہیں۔مشاہدہ کرتے ہیں اور اللہ تعالی کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔دنیا میں جس قدر نیلے پیلے لال سبز۔۔۔رنگ نظر آتے ہیں سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔

کائنات میں تمام مخلوقات کے رنگوں میں ترتیب نہیں دی جاسکتی البتہ قرآن مجید میں سب سے پہلے جس رنگ کا تعارف اللہ تعالی ہر قاری قرآن کو کراتا ہے۔

وہ "صفراء" ہے۔

یعنی "پیلا" یا "زرد "

پیلا "سورج" کا رنگ ہے جو دنیا میں زندگی کا استعارہ ہے۔

پیلا "سونے" کا رنگ ہے جو اپنی خوبصورتی کے باعث دنیا کے کثیر افراد خصوصا عورتوں کا پسندیدہ ہے۔

پیلا سرسوں کا رنگ ہے جو ہماری تہذیب میں خوشی کا رنگ ہے۔

پیلا رنگ اپنے اندر روشنی اور جاذبیت رکھتا ہے۔

رنگوں کا انسانی شخصیات پر اثر انداز ہونا بھی شارع حکیم کے احکام کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد کے حصول کا وسیلہ ہے۔اور وہ مقصد نفس انسانی میں سرور کو انگیخت کرنا ہے۔اس طرح "سرور" ایک نفع ہے جسے اللہ تعالی نے خود بھی اہمیت دی ہے۔اس کے فہم کے لیے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 69 پر تفکر و تدبر اہم ہے۔

اس آیت میں حضرت موسی علیہ السلام،ان کی قوم بنی اسرائیل اور اللہ رب العزت کے درمیان مکالمہ جاری ہے۔ قوم نے حضرت موسی علیہ السلام سے کہا:

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ

کہنے لگے: آپ اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا ”: للہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کا دل خوش کر دے“۔

پیلا رنگ وسیلہ سرور:

(صفراء فاقع لونھا) میں ایک تصویر پوشیدہ ہے جیسا کہ "گلاب کی پنکھڑی" کے الفاظ سننے سے محِب کو محبوب کے لب یاد آجائیں.

اسی طرح

(بقرۃ صفراء لونھا) کا حکم سننے سے تصور میں وہ بچھڑا بھی اُبھر سکتا ہے جسے حضرت موسی علیہ السلام کے طُور پر چالیس راتیں گزارنے کے دوران بنی اسرائیل نے معبود بنا لیا تھا۔ اسے سونے کے زیورات پگھلا کر تیار کیا گیا تھا۔ اس کا رنگ اور چمک ایسی ہی یاد پیدا کر سکتی ہے جیسے خوبصورت زرد رنگ کی گائے ہو جو ایسی جاذب نظر ہو کہ نظریں اسے دیکھنے سے سرور کشید کریں۔

اس طرح سے گائے ذبح کرنا دراصل اپنی ہوی و ہوس نفس پرستی اپنی بے جا خواہشات کو "توحید" پر ایمان کی خاطر ذبح کر دینا ہے۔

جو اللہ کی مانے گا اللہ اس کی ضرور سنے گا۔

ویسے آپ کی آنکھوں کو کون سے رنگ بھلے لگتے ہیں؟؟؟

علم نفس یعنی سایئکالوجی اس رنگ کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ مختلف زبانوں کا لٹریچر اس رنگ کو کون سے معانی دیتا ہے اور قرآن کی آیات اس رنگ کا تذکرہ کس حوالے سے کرتا ہے؟ اس پر دلچسپ تحقیق ہو سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆

المبھمات فی القرآن

ایک فن ایک علم___جسے قرآن مجید سے کشید کیا گیا ہے۔ مبہم ہر وہ چیز جو غیر واضح ہو۔

کیا ہر چیز کا واضح ہونا شریعت کا مقصود ہے؟

قرآن مجید منبع شریعت اسلامی سے ثابت ہے کہ ہر چیز کی وضاحت اور تفصیلی تعارف ضروری نہیں۔

جیسا کہ گائے کے واقعے میں مقتول کا نام و نسب، گائے کے مالک کا تعارف، گائے کے کس حصے کو مقتول کے جسم کے کس حصے سے ٹکرایا گیا؟

یہ معلومات نہ ہونے سے بظاہر مبہم صورتحال نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کا اتنا ہی تعارف کرایا گیا ہے جتنا جاننا ہمارے ایمان اور عقل کی پختگی کے لیے ضروری ہے۔

ہم سب سے چھپ سکتے ہیں مگر اللہ سے چھپ نہیں سکتے۔ ہم سب انسانوں سے اپنا کردار چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے سب کچھ عیاں ہے۔

بنی اسرائیل میں سے جس شخص کو قتل کیا گیا پھر سب قاتل بھی اور اسے جاننے والے بھی خود کو انجان ظاہر کرنے لگے۔ الزام ایک دوسرے پر لگانے لگے

اللہ نے فرمایا:

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ (البقرہ:72)

"اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر اس کا الزام کسی دوسرے پر ڈالنے لگے حالانکہ اللہ ظاہر کرنے والا تھا اس کو جسے تم چھپا رہے تھے۔"

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (73)

"تو ہم نے فرمایا (کہ) اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو۔ اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔"

اللہ اپنی نشانیاں ہماری عقلوں کو جگانے اور سدھانے کے لیے دکھاتا ہے۔ غفلت کی نیند سلانے کے لیے نہیں۔

☆☆☆☆☆

کیا قرآن مجید کا ترجمہ کرنا تحریف ہے؟

کسی انسان کے کلام میں معمولی لفظی تبدیلی بہت بڑے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔اور جب مسئلہ اللہ تعالی کے کلام میں تحریف کا ہو تو یہ صاف ستھرا ایمان کا نقصان ہے۔

عقل اور علم ہونے کے باوجود "تحریف": کلام میں ہیرا پھیری "قساوت قلبی": دل کی سختی کی نشانی ہے۔

یہودیوں کے دل کی سختی کی وضاحت کے لیے اللہ تعالی نے پتھروں کی سختی کی مثال دی۔پتھروں سے پانی جاری ہونے اور اللہ کے خوف سے گر پڑنے کی خوبیوں کو بیان کیا۔یہود پے در پے نعمتوں،پیغمبروں،ہدایت کے ابلاغ کے باوجود،اللہ کے کلام سے پہلو تہی کرتے اور ایمان نہ لاتے سختی میں پتھروں سے بھی آگے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انصار مدینہ کی خواہش تھی کہ یہود ایمان لے آئیں۔اس پر اللہ تعالی نے فرمایا:

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ(البقرۃ:75)

"کیا تمہیں امید ہے کہ یہود تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ بھی گزرا ہے جو اللہ کا کلام سنتا تھا پھر اسے سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر بدل ڈالتا تھا۔"

سمجھ لینے کے بعد بدل ڈالنا بہت بڑا عیب ہے اور ثابت کرتا ہے کہ دل ایمان سے یکسر خالی ہے۔دراصل یہی منافقت ہے۔

یہود کا ایک گروہ کلام اللہ کو سن لیتا۔اس کو اچھی طرح جان لیتا سمجھ لیتا پھر اس کے لفظوں اور معانی دونوں میں تحریف کرتا۔یہود نے یہی رویہ حضرت موسی سے اس وقت بھی اپنایا جب انہیں قاتل کو جاننے کے لیے گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کی زبان عربی ہے اور تمام مسلمان عرب نہیں ہیں بلکہ مختلف زبانیں بولنے والے ہیں۔مختلف زبانیں اللہ کی نشانیاں ہیں۔جب قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے تو کیا اس عمل کو "تحریف" کہیں گے۔اللہ کے کلام کے معانی کی حد بندی اللہ خود کرے گا یا اللہ کا رسول جس پر کلام نازل ہوا۔قرآن قیامت تک کے ہر انسان کی رہنمائی کے لیے بھیجی گئی آخری آسمانی کتاب ہے۔مختلف زبانیں بولنے

والوں کو قرآن سکھانے کے لیے کن پابندیوں کے ساتھ ترجمہ و تفسیر کی جائے کہ "تحریف" کے زمرے میں نہ آئے۔

☆☆☆☆☆

جلوت و خلوت

نظر میں ہونا اور موجودگی کا احساس انسانی رویوں کو
یکسر بدل کر رکھ دیتا ہے۔
آپ کس سے ملتے ہیں؟
کس سے معاملات کرتے ہیں؟ آپ کی ملاقاتوں کے مقاصد کیا ہیں؟
یہ تمام ترجیحات آپ کی جلوت کو مختلف رنگوں سے بھر دیتی ہیں۔ بعض ملاقاتیں آپ کے اندر محبتوں کو پروان چڑھاتی ہیں اور بعض ملاقاتیں آپ کو اپنی شخصیت پر پرتیں چڑھانے، بہروپ بھرنے پر مائل کر دیتی ہیں۔۔۔ یہ اختلاف اس باعث جنم لیتا ہے کہ
"آپ کس سوچ اور ہدف کے تحت ملاقات کرتے ہیں؟"
آپ کو کلاسیکی موسیقی سے لگاؤ ہے لیکن ابھی آپ جس شخصیت کی محفل میں ہیں جو آپ کی باس ہے یا جس کے ساتھ آپ نے بزنس ڈیلنگ کرنا ہے اسے موسیقی سے نفرت ہے۔ محض اس کی توجہ کے لیے آپ بھی موسیقی کی برائیوں کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔۔۔
بظاہر یہ ایک مثال ہے لیکن اگر بغور جائزہ لیں تو دور حاضر میں ہر ایک اس قدر افادیت پسند ہو چکا ہے کہ اس کی اپنی کوئی اقدار، اخلاقیات اور روایات نہیں رہیں بلکہ اصل مقصد و محور اپنا مفاد اور منفعت مالی حاصل کرنا ہے۔
ہمارے پیارے نبی سیدنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین کے عہد زریں میں مدینہ میں بسنے والے یہود نے "نفاق" کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ جب وہ اہل ایمان سے ملتے تو خود کو مومن ظاہر کرتے۔۔۔۔ یہ اظہار ایمان دنیاوی مال و منفعت کے حصول کے لیے تھا۔ اس بات کی حقانیت اس سے واضح ہو جاتی جب وہ اپنے جیسے منافقین کے درمیان ہوتے تو ایک دوسرے کو تنبیہہ کرتے کہ مسلمانوں کے سامنے تورات کی وہ آیات جو نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ

وسلم کی نعت اور ان کی رسالت کی حقانیت کو بیان کرتی ہیں، مت لاوانہیں راز ہی رہنے دو ورنہ وہ تورات میں سے تمہارے رب کے حضور اپنے لیے دلائل اور حجج بیان کرنے لگیں گے۔ کیا تم میں عقل و شعور نہیں؟ یوں وہ قصدا رسالت نبوی کا انکار کر رہے تھے جب کہ حقیقتا یہ اعتراف نبوت ہی تھا اگر چہ بغض انہیں اقرار سے روک رہا تھا۔

انہی احوال کو اللہ عزوجل نے یوں فرمایا: ﷺ

وَإِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا أَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ(البقرۃ:76)

"اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے ہیں، اور جب وہ ایک دوسرے کے پاس علیحدہ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم انہیں وہ راز بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولے ہیں تا کہ وہ اس سے تمہیں تمہارے رب کے روبرو الزام دیں، کیا تم نہیں سمجھتے۔"

یہود کی جلوت و خلوت کی کوتاہیاں ہمارے لیے باعث عبرت بیان کی گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات وصفات اور ان صفات کے تقاضوں میں توحید کے اس سبق کو یہود نے بھلا رکھا تھا۔ ان کے زعم میں یوں وہ اللہ تبارک وتعالی کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ وہ اللہ سے حقائق اشیاء کو چھپا سکتے ہیں۔

کیا یہ تصور توحید آپ کو درست لگتا ہے؟

☆☆☆☆☆

سطحی سوچ و فکر

کمزور ترین لمحات میں کوئی بھی انسان بہک سکتا ہے، کجی اپنا سکتا ہے اور خود پسند ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔۔ آپ کو اس رائے میں تردد فطری ہے۔

"انسانی خواہشات اور کمزور لمحات کا گہرا تعلق ہے"۔

کسی بھی چیز کو حاصل کر لینے کی بے لگام خواہش آپ کے اندر ہیجان برپا کر سکتی ہے۔۔۔

یہاں تک کہ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح کرا دیتی ہے۔۔۔۔

کبھی آپ کے ساتھ ایسا ہوا؟

نہیں؟

تو دیکھیے جنہیں "مال" چاہیے وہ اس کی خواہش میں حلال و حرام کی تمیز کھو دیتے ہیں۔ آج کل ٹک ٹاک اور سنیک وڈیوز پر محض لائک کر کے چھتیس روپے حاصل کرنے والی نوجوان نسل کمائی کے حلال ذرائع کی تعلیمات سے جان بوجھ کر خود کو بے بہرہ رکھتی ہے۔

مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں یہ خواہشات پہلے پہل تو خیالات پر حاوی رہتی ہیں۔۔۔ پھر اوہام بن جاتی ہیں۔۔۔ رفتہ رفتہ ظنون اور بالآخر نظریہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔۔۔

ایسے میں زبردست امنگ اٹھتی ہے کہ اس دنیا کے سب لوگ اس نظریہ کو حقیقت مان لیں۔ آپ کے اوہام و ظنون کو سچ جانیں۔ یہی نہیں اب حقیقت کی تلاش کو چھوڑ دیں۔ ہمیشہ کے لیے ترک کر دیں۔۔۔۔

ایسے لوگ عام طور پر پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ ناخواندہ یا ایسی واجبی تعلیم رکھنے والے جو محض اپنے نام کے سگنیچر کر لیں یا محض لکھی ہوئی عبارت کو بدقت پڑھ لیں مگر اس کے "فہم" سے عاری ہوں۔

"کتاب کا علم "بہت بڑی سعادت ہے۔"وحی ربانی " اوہام پر مبنی نہیں۔ جو اصل میں "علم" ہے۔ کتاب کے ہاتھوں میں ہونے کے باوجود ہوا و ہوس کے شیدائی اس کی حقیقت کو پا نہیں سکتے۔ وہ اپنی کم علمی سے اس "متاع عزیز" پر پردے ڈالنے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔۔۔

سادہ سی مثال ہے کسی شخص کو پھلوں کا لدا پھندا تیار باغ مل گیا۔ حرص و ہوس کا پجاری دوسرے لوگوں کو باغ کے پھلوں کے قریب نہیں آنے دیتا یہاں تک کہ ان کے بیج بھی نہیں دیتا۔ چھپا لیتا ہے۔ کوئی زیادہ کریدے تو انہیں گلے سڑے پھل دکھا کر متنفر کرتا ہے۔۔۔ مقصد یہ ہے کہ اس امتیاز، عزت اور فضیلت میں کوئی دوسرا شریک نہ بن جائے۔

یہ سب تمہید دراصل یہود کے ان رویوں کو سمجھنے کے لیے باندھی گئی جن کا تذکرہ اللہ رب العالمین نے قیامت تک کے ہر قاری قرآن کے فہم و عبرت کے لیے قرآن مجید میں محفوظ کر دیا۔

اب ہے کوئی سوچے سمجھے اور عبرت حاصل کرے؟؟؟

عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک یہودی گروہ ایسے ہی ان پڑھ جاہلوں پر مشتمل تھا۔

انہوں نے اللہ تعالی کی وحی "تورات" میں موجود نبوت ورسالتِ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقائق سے صرف نظر کر رکھا تھا۔ تورات کی تعلیم کی بجائے اپنی آرزووں اور تمناوں کی تکمیل میں کوشاں تھے۔

اللہ تعالی نے انہی کے بارے میں فرمایا:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ(78)

"اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں جو کتاب نہیں جانتے، سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں۔"

یعنی مقام عبرت ہے کہ یہ گروہ یہود "کتاب والے" ہیں اور "کتاب کا علم" نہیں رکھتے۔

دراصل جہاں علم ہوتا ہے وہاں شک اور تردد نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے اقرار سے ان کی تمنائوں اوہام وظنون پورے نہ ہوپاتے چنانچہ ان حقائق کو پردے میں رکھنے پر اصرار کیا۔

ضروری ہے کہ آج ہم قرآن مجید کی تلاوت، فہم اور اپنی عملی زندگی پر اس کے اطلاق کرنے کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں۔

اللہ تعالی ہم سب کو قرآن مجید کا فہم اور اس پر اخلاص سے عمل کی توفیق دے۔ آمین

☆☆☆☆☆

"تبدیلی تغیر اور زیادتی"

یکدم جنم نہیں لیتیں۔ ان کا ہمیشہ منفی رویوں سے نشوونما پانا ضروری نہیں۔

بعض اوقات "مثبت رویوں" کے حد اعتدال سے بڑھ جانے سے بھی یہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ جب بات اللہ تعالی کے دین "اسلام" کی ہو، "شریعت محمدی" کی ہو تو میرا اور آپ کا فرمان کہ ومہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔۔۔

بہت سے تعلیم یافتہ اور ناخواندہ مسلمان بھی شریعت کو "من جانب اللہ" ماننے کے باوجود اپنی "رائے۔۔۔ فہم اور۔۔۔ تعبیر" کو شریعت منوانے پر اصرار کرتے نظر آتے ہیں۔۔۔ اس کے لیے باقاعدہ گروہ بندی کی جاتی

ہے اپنے معتقدین بڑھانے کے لیے سیاہ سفید ایک کیا جاتا ہے۔یہ رویہ یہود کے اس گروہ کے رویے سے یکسر مشابہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ(البقرۃ:79)

"سو افسوس ہے ان لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس سے کچھ روپیہ کمائیں، پھر افسوس ہے ان کے ہاتھوں کے لکھنے پر اور افسوس ہے ان کی کمائی پر۔"

لگتا ہے کہ لکھے جانے کا خطرہ بولے جانے سے بھی شدید ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کو ویل کے عذاب کی وعید دی جنھوں نے اپنی ہوا و ہوس کی تحریروں کو "من جانب اللہ "یعنی وحی کہا اور ان تحریروں سے مال عہدے شہرت دیگر دنیاوی منافع، اور لوگوں کی رضامندیاں کمائیں۔

اسلام اعتدال کا داعی ہے۔جہاں آپ حد اعتدال سے آگے گزر گئے یا پیچھے رہ گئے تو آپ افراط یا تفریط کا شکار ہو گئے۔۔۔اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منحرف ہو گئے۔۔۔کمی اور زیادتی دونوں خطرناک۔۔۔دین اللہ کا حکم، دین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، تلقین، تربیت، تشریح تزکیہ، حکمت۔۔۔کا نام ہے۔

ضرورت ہے کہ اصل " اسلام " کو جانا جائے اس پر چڑھائی گئی ہوا ہوس کی پرتوں کو اتارا جائے۔اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنے علم میں اضافہ کیا جائے اور دین اسلام پر عمل کی سہولت کو اپنی ذاتی پسند و ناپسندیدگی کی آلائشوں سے پاک کیا جائے۔

اس سلسلے میں بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں تاہم عام لوگوں کے جملوں اور رویوں سے اصل اسلام کو الگ پہچانا جا سکتا ہے

مثلاً اکثریت کے جملے:۔

1۔میری خواہش ہے کہ ہر سال اللہ مجھے حج پر بلالے۔(یہ دینی ضرورت نہیں، خواہش نفسانی ہے)

2۔مسجد میں قیمتی ٹائلز لگوانے کے لیے فنڈز دے کر عوام اپنے لیے جنت خرید رہی ہے۔(ٹائلز ضرورت دین نہیں۔یہ خواہش انسانوں کی ہے۔رحمان کا حکم نہیں)

3۔روزہ افطار کرانے پر اجر ہے۔بڑے بڑے ہوٹلوں میں روزہ داروں کے لیے پر تکلف افطار پارٹیز رکھنے والے دین پر عمل کر کے اصل خدمت کر رہے ہیں اجر سمیٹ رہے ہیں۔(دکھاوے، تشہیر دولت اور بزنس ڈیلز کے لیے کی جانے والی پارٹیز کس زمرے میں دینی کاروائی ہو سکتی ہیں۔)

اللہ تعالی مجھے اور سب مسلمانوں کو دین اسلام کا پابند، اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والا بنادے۔ آمین

☆☆☆☆☆

درست طریقہ استدلال میں قرآنی رہنمائی

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (80)

"اور کہتے ہیں ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی، کہہ دو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ ہر گز اللہ اپنے عہد کا خلاف نہیں کرے گا، یا تم اللہ پر وہ باتیں کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔"

آپ کسی بات کی سچائی جاننے کا ہنر سیکھنا چاہتے ہیں؟ تو حقیقت کے متلاشی کو قرآن مجید "تقسیم" کا ہنر سکھاتا ہے جیسا کہ سورت بقرہ کی آیت نمبر 80 میں ہمیں یہود کا دعوی پتا چلتا ہے:"ہمیں آگ ہر گز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند روز"۔ان کا بیان دو احتمالات رکھتا ہے۔پہلا احتمال یہ کہ اللہ سبحانہ تعالی نے ان سے کوئی وعدہ کر رکھا ہے اور اب وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا یا انہوں نے اللہ کے حوالے سے جھوٹی بیان بازی اپنی طرف سے کی ہے۔اس طرح کلام کو جب بھی" تقسیم "کیا جائے تو دو احتمالات ہی سامنے آتے ہیں تیسرا کوئی نہیں ہوتا۔

تقسیم کے بعد "سبر" کے ذریعے تمام اوصاف اور احتمالات کی گہرائی اور حقیقت کو جانچا جاتا ہے۔ مثلا

یہود کی سچائی کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے کیا گیا معاہدہ کوئی دستاویز ان کے پاس بطور دلیل موجود ہو۔

اگر ایسا نہیں تو یقینا انہوں نے اللہ تعالی پر جھوٹ باندھا ہے۔اس طرح سے قیاس کے ذریعے کلام میں موجود علت کا استخراج کرنا قرآنی تربیت ہے۔ قرآن مجید خود اپنے قاری کو عقل و خرد کو وحی کی روشنی میں استعمال کرنے کی لازوال رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

انسانی نفسیات میں تکبر اور عاجزی کے رویے

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۔۔۔ (البقرة:80)

"اور کہتے ہیں ہمیں سوائے چند گنتی کے دنوں کے آگ نہیں چھوئے گی۔"

آگ کے عذاب پر یقین بھی ہے اور فخر و غرور کی نفسیات ایسی ہے کہ اپنے جرم کو بہت چھوٹا، تقریباً نہ ہونے کے برابر کا اعلان کیا جارہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کے بعد چالیس روز تک "شرک اکبر" کا ارتکاب کرنے والی قوم یہود کے متکبرین نے اپنی خصوصیات یوں بیان کیں کہ محض چالیس دن کے لیے بچھڑے کی عبادت کرنے پر آگ کا عذاب ملے گا پھر اس کے بعد ہم ہی جنت کے وارث ہیں۔

جب کہ اللہ کے چنیدہ بندوں نے گڑ گڑا گڑ گڑا کر خود کو ظالم اور عاجز بیان کر کے اللہ سے معافی چاہی۔ مثلاً آدم اور حوا علیہما السلام نے منع کردہ جنت کا پھل کھانے اور جنت سے نکالے جانے پر کوئی حیل و حجت اور پس و پیش نہ کی بلکہ اپنی خطا کو ظلم اور خسارہ قرار دے کر توبہ کی اور مغفرت طلب کی: (ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرين)

☆☆☆☆☆

حقوق اللہ _ حقوق العباد

1۔ حقوق کی تقسیم کے ضمن میں عام طور پر اہل ایمان انہیں دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد۔

اس تقسیم کے پیچھے یہ فہم و فراست دکھائی دیتی ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں میں فرق ظاہر کیا جاسکے۔

اگر یہی تقسیم درست ہے تو بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادات و طاعات کی ضرورت ہے اگر ہم انہیں پورا نہ کریں تو کیا اس کو کوئی نقصان پہنچائیں گے؟

دوسرا سوال یہ اٹھتا ہے کہ بندوں کے باہمی حقوق کیا ہیں؟ کیوں ہیں؟ اگر پورے کیے جائیں تو دنیا و آخرت کا کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ آیا اس کا تعلق صرف فرد سے ہے یا جماعت سے بھی؟

اللہ تعالی نے جنت و دوزخ کی ترغیب و ترہیب کے بیان کے بعد پھر سے بنی اسرائیل کو ان کا کیا ہوا پختہ عہد یاد کروایا۔ یقینا اس یاد دہانی میں بعد میں آنے والے قیامت تک کے انسانوں کے لیے رہنمائی و تذکیر موجود ہے۔ مقاصد شارع میں سے اہم ترین اعلی و ارفع مقصد صرف اللہ تعالی کی عبادت کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا ٱللَّهَ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَٰمَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينِ وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم مُّعْرِضُونَ(البقرۃ:83)

"اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین سے اچھا سلوک کرو گے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔ اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔ (مگر) پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی سب (اس عہد سے) منہ موڑ کر پھر گئے۔"

بظاہر یہ لگتا ہے کہ اللہ کا حق اس کی عبادت کرنا ہے اور اس کے بعد بندوں کے حقوق بیان ہو گئے ہیں۔ تھوڑا سا فکر و تدبر کرتے ہی یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ یہ سب حقوق اللہ ہیں۔ ہم اسی کے حکم پر عمل کے پابند ہیں۔ پھر چاہے عبادات ہوں معاملات ہوں یا اخلاقیات۔

☆☆☆☆☆

ترقی پسند معاشرہ_ترقی یافتہ تہذیب

آپ کیسے معاشرے میں رہنا چاہتے ہیں؟

نظم و ضبط عدل اور اخلاق پر مبنی معاشرہ میں۔ایک ایسا معاشرے جس کے افراد آزاد بھی ہوں اور خوشحال بھی۔ان کی ترقی میں رکاوٹیں نہ ہوں اور وہ خود پرست بھی نہ ہوں بلکہ دوسرے افراد معاشرے کی ترقی ورہنمائی کے لیے عملا کوشاں ہوں۔اگر یہ سب آپ کی خواہش ہے تو آپ کو فقط ایک لازوال طاقت اور اس کے دیئے ہوئے قانون کی پیروی کرنا ہوگی۔اس کے ساتھ کیے ہوئے معاھدے پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کو ایسے ہی معاھدے کی یاددہانی کراتے ہوئے فرمایا:

إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُعْرِضُونَ(البقرہ:83)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں سے اچھا سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، پھر سوائے چند آدمیوں کے تم میں سے سب منہ موڑ کر پھر گئے۔

ان آیات میں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک معاہدے کا ذکر ہے جس کی بنیاد توحید کا اقرار اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا۔اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

1. اللہ اور بندے کا تعلق
2. والدین سے حسن سلوک
3. رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں سے حسن سلوک
4. لوگوں سے اچھی بات کہنا
5. نماز قائم کرنا
6. زکات ادا کرنا

مختصر الفاظ میں کوئی بھی صالح معاشرہ تبھی پنپ سکتا ہے جب اس میں معبود حقیقی سے انسان کے تعلق اور انسانوں کے مابین تعلقات اور معاملات کے اصول و قواعد مساوات اور عدل پر مبنی ہوں اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں دی گئی مہلت عمل کے لیے بھرپور رہنمائی موجود ہو۔ اختتام یعنی آخرت پر اس کے اثرات بھی معلوم اور شائع ہوں۔

عبادات اور معاملات دونوں عقیدہ توحید کے پر تو ہوں۔

"اللہ تعالیٰ نے یہود کی طرح یہ حکم امت مسلمہ کو بھی دیا ہے": **(النساء:36)**

لوگوں سے اچھی بات دراصل دعوت دین ہے: وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا **(سورۃ فصلت:33)**، اس آیت میں وضاحت ہے کہ معروف کا حکم دینا اور منکر سے بچنے کی دعوت دراصل اللہ کی طرف بلانا ہے۔

اس سب سے عبادات اور معاملات دونوں کی لازوال اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ امت مسلمہ کو ان سب میں اپنا مثبت کردار ادا کر کے دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنا ہے۔

اللہ ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق دے۔ اپنے فضل سے دنیا و آخرت میں سرخرو کرے۔ آمین

☆☆☆☆☆

ایک امت کا تصور

ایک امت ہونے کی ذمہ داری کیا ہے؟

بھائی چارہ کیا ہوتا ہے؟

عصبیت کیا ہے؟

عدل کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟

کتاب پر مکمل ایمان لانے کے معانی کیا ہیں؟

معاہدے کی پاسداری کتاب (تورات) والوں کی ذمہ داری تھی یا نہیں؟

امت مسلمہ اس معاہدے سے کیا سبق سیکھ سکتی ہے؟

سورۃ البقرۃ کی آیات:84،85 کا پس منظر تفاسیر میں چار قبیلوں کے حوالے سے ملتا ہے۔ یہ پس منظر اور اس پر اترنے والی آیات کو پڑھ کر مندرج بالا اور اس طرح کے کئی سوالات ابھرتے ہیں۔

یہود کے دو قبیلے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور بت پرستوں کے دو قبیلے اوس و خزرج۔ بنو قریظہ اوس کا حلیف جبکہ بنو نضیر خزرج کا حلیف تھا۔ جب بھی جنگ ہوتی تو دونوں یہودی قبائل ایک دوسرے کے مد مقابل مقابل آ جاتے۔ جنگ کے میدان میں ایک دوسرے کو تورات کی ہدایات کے خلاف قتل کرتے اور جب کوئی یہودی قیدی بن کے آتا تو اس کے چھڑانے کے لیے فدیہ جمع کرتے۔

سورۃ البقرۃ میں ان کے کردار کی کجی اور نقض عہد کو بیان کیا گیا ہے:

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ (البقرۃ:84)

"اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا عہد لیا تھا کہ: تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے اور اپنے آدمیوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکالو گے، پھر تم نے اقرار کیا تھا اور تم خود اس کے گواہ ہو۔"

اللہ نے انہیں، ان کے اللہ سے میثاق کے سبب ایک امت ہونے کی یاد دہانی کرائی۔ ان کے عمل میں نفس پرستی اور خواہش نفس کے باعث در آنے والی کمزوریوں کی نشاندہی کی۔

ان کی حالت کا بیان قرآن مجید میں ہے۔ وہ لوگ تو گزر گئے۔ اب اس میں بعد میں آنے والوں کے لیے رہنمائی اور عبرت کا سامان ہے ہم نے بطور امت مسلمہ اس طرح کی بد کرداری سے بچنا ہے۔

مگر کیا امت مسلمہ ان خرابیوں سے بچ رہی ہے؟

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (85)

"اس کے بعد (آج) تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو، اور ان کے خلاف گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کرکے (ان کے دشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ (دشمنوں کے) قیدی بن کر تمہارے پاس آجاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھر سے) نکالنا ہی تمہارے لیے حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کی رسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔"

کیا آج امت مسلمہ جسد واحد کی طرح باہم شیر و شکر ہے؟

یا تفرقہ کا شکار ہے؟

کیا وہ باہم مددگار ہے؟

کیا وہ دشمنوں کی حلیف بن کر اپنے ہی مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہے؟

دوستی اور دشمنی کے معیارات کیا ہیں؟

بین الاقوامی قانون کس حد تک مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت میں مددگار ہے؟ کہاں کہاں خلا ہے؟ اسے کون اور کیسے پر کرے گا؟

☆☆☆☆☆

تعلیم و تربیت میں مثالوں کا پرتاثیر استعمال

خوش نصیبی ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی جنھیں ہادیٔ برحق بڑی محبت سے اپنے دست مبارک سے سیدھی لکیر کھینچ کر "صراط مستقیم" کی تعلیم و تربیت دے رہے تھے۔ سیدھا راستہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف جاتا ہے۔ پھر اس کے اطراف میں دائیں بائیں کچھ آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر فرمایا یہ وہ دیگر راستے ہیں جن میں سے ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔۔۔ وہ لوگوں کو ان غلط راہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ پھر اس مثال کو قرآن مجید کے فہم کا ذریعہ بناتے ہوئے اس آیت کی تلاوت فرمائی:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ "

(الانعام:۱۵۳)ترجمہ: اور یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور نہ چلو اور رستوں پر وہ تمہیں جدا جدا کر دیں گے۔ (سنن الدارمی، باب فی کراھیۃ اخذ الرای، حدیث نمبر:۲۰۸)

وہاں خود خاتم الانبیاء والمرسلین دلنشین مثالوں سے تعلیم وتربیت فرمارہے تھے۔ یہاں اب ہم ہیں جن تک یہ تفصیلات ذخیرہ احادیث کی صورت میں پہنچایا گیا۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر عطا کرے۔ آمین۔ ایک چشم تصور ہے جس میں ہر کوئی اپنی اپنی ذہنی سطح کے مطابق ان لکیروں کو پردہ خیال پر کھنچا ہوا ملاحظہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ اس مثال سے انسان کو راہ راست پر لانے کے لیے فطرت کو بر موقع جگایا گیا ہے۔ انسان کے اندر موجود "ضمیر" داعی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ اسے جھنجھوڑتا ہے۔ خارج سے قرآن مجید کی دعوت اسے راہ راست پر گامزن رکھنے کا اہم فریضہ انجام دیتی ہے۔

حدیث نبی میں صراط مستقیم کی ایک اور مثال:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ محمد ﷺ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے "صراط مستقیم" کی مثال ایسے راستے سے دی ہے جس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ ان دیواروں میں دروازے کھلتے ہیں۔ ان دروازوں پر پردے لٹکے ہیں، راستے کے ایک سرے پر کوئی پکار رہا ہے۔ راستے پر سیدھے چلتے آؤ، دائیں بائیں نہ ہونا۔ پھر ایک اور متنبہ کرنے والا مقرر ہے، جب بھی کوئی انسان ان دروازوں میں سے کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے، وہ پکارتا ہے۔ تیری بربادی لازم ہے۔ اسے مت کھول۔ اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں پھنس کر نقصان اٹھائے گا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر فرمائی: راستے سے مراد "اسلام" ہے۔ کھلے ہوئے دروازے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حرمتیں ہیں، (جن امور کو اللہ تعالیٰ نے ناقابل عبور ٹھہرایا ہے) لٹکے ہوئے پردے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں (انہیں پھلانگنے کی اجازت نہیں) راستہ (صراط) کے ایک سرے پر پکارنے والا قرآن ہے۔ ضمیر کی آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانی فطرت کا خاصہ ہے جو ہر قلب مومن پر دستک دے رہی ہے۔ (مسند احمد، باب حدیث النواس بن سمعان الکلابی، حدیث نمبر:۱۶۹۷۶)

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں "صراط مستقیم" پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے، آپ نے اس کے دونوں طرف دیواریں ذکر کیں۔ ان میں داخلے سے انسان حرام کا ارتکاب کرتا ہے،"صراط مستقیم" پر ان سے بچ کر ہی چلا جا سکتا ہے۔

سورۃ الفاتحۃ میں "صراط مستقیم" طلب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس سورۃ میں انسان کو "مغضوب علیہم" اور "ضالین" سے بچ کر نکلنے کی دعا مانگنا بھی سکھایا گیا ہے۔

☆☆☆☆☆

گزشتہ سے پیوستہ

کائنات کیا ہے؟

سورۃ الفاتحۃ نے "رب العالمین" کی تعلیم دے کر اللہ، انسان اور کائنات کے تعلق کو سمجھنے کی ترغیب دی۔

اس کے ذریعے نظری، فکری اور عملی مسائل کو حل کرنے میں مدد ملنے کا کامل یقین ہے۔ یہ غور و فکر "تفہیم قرآن" کی اہم کڑی ہے۔ کائنات ایک بہت وسیع مضمون ہے تاہم اس کی ابتدا اسی "زمین" سے کرتے ہیں جس سے انسان کی تخلیق کی گئی۔ اس زمین سے جنمے ہوئے انسان سے اللہ تعالی کا مطالبہ "عمارتِ ارضی" کا ہے:

{ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ } وہی ذات ہے جس نے بغیر کسی سابقہ مثال کے زمین سے تمہارا خمیر اٹھایا { وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا } اور تمہیں اسے بسنے کے قابل بنائے رکھنے کا حکم دیا۔ **(ھود:61)**

آیت میں "استعمرکم" میں انسانیت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس زمین میں ہر طرح کی تعمیری سرگرمیاں اپنائیں۔ اپنے لیے اور بعد میں آنے والے انسانوں کے لیے پودے درخت اور کھیتیاں اگائیں۔ ان کے فائدے کے لیے عمارتیں بنائیں۔ ہر وہ سرگرمی اپنائیں جس سے نہ صرف موجودہ انسان حیوان نباتات و جمادات فائدہ اٹھائیں بلکہ مستقبل کی مخلوق بھی اس سے فیض یاب ہو سکے۔ یہ طلب مطلق ہے۔ یعنی اس طلب کو پورا کرنا انسانیت پر واجب ہے۔

ذرا سوچیے "کورونا" نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ہم اس فریضے کی ادائیگی میں کہاں کھڑے ہیں؟

"کورونا"۔۔۔۔ایک ایسی وبا جس کے خوف کے سائے تمام انسانیت کو متاثر کر گئے۔ تاہم بعض بیدار مغز علماء و مفکرین نے اسے "جند من جنود اللہ "(اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر) قرار دیا۔ ایک ایسا لشکر جس نے اس جہانِ دنیا کو موجودہ اور مستقبل کی انسانیت کے لیے پھر سے رہنے کے لیے صحت مند مقام بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

چنانچہ(the earth is healing itself) جیسے تاثرات خبروں کی زینت بننے لگے۔ انسانوں کو اپنے بہت سے ایسے کارہائے سیاہ کا اندازہ ہوا جس کے باعث دنیا میں زندگی عذاب کی ایک شکل بنتی چلی جارہی تھی۔

کورونا وبا کو کلی "مفسدت" قرار دینا تقریبا ناممکن ہے کیوں کہ اس وبا کی روک تھام کے لیے دنیا بھر میں کیے جانے والے لاک ڈاونز نے ہمارے دیکھنے کا رخ بدلنے میں اہم کردار ادا کیا چنانچہ اللہ کریم کے اس ارشاد "لا تفسدوا في الارض"(زمین میں فساد مت پھیلاو) کو ایک بڑے کینوس پر دیکھنے اور محسوس کرنے کے مواقع ہر خاص و عام ،پیرو جوان کو باافراط ملے۔

جب انسانوں کو گھروں میں قید ہونا پڑا تو فضائیں صاف ہوئیں اور سموگ غائب۔ درختوں پھولوں پودوں میں شگفتگی اور رنگینی میں اضافہ ہوا۔ جانور اللہ کی بنائی ہوئی زمین میں آزادی سے چلے پھرے اور انہوں نے بھی دنیا دیکھی۔ ہر قسم کی آلودگی میں کمی ہوئی۔ماحول نے صحت بھرا سانس لیا۔

انسان کا اس کائنات سے تعلق کتنا معنی خیز ہے؟اس کی تعلیم قرآن مجید کے ذریعے بآسانی ہر ایک کو دستیاب ہے۔اب یہ حضرت انسان کی ذمہ داری ہے کہ اس پر سوچ سمجھے۔کائنات کو جانے اوراس کے حقوق ادا کرے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:56)

"اور میں نے جن اور انسان کو بنایا ہے تو صرف اپنی بندگی کے لیے۔"

عبادت کیا ہے؟

تذلل اور خضوع۔

"مکلفین"(عاقل بالغ اور فریضہ سے آگاہی اور اس کی ادائیگی کی استطاعت رکھنے والا مسلمان) پر ارکان اسلام کی پابندی عائد کی گئی ہے۔ نماز روزہ حج اور زکوۃ کے ذریعے انسان اللہ کی تعظیم بجالاتے ہوئے اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا ہے اس لیے ان وظائف کو عبادت کہا جاتا ہے۔

اسلام میں عبادت کے معانی اس قدر وسیع ہیں کہ ایک مسلمان کی زندگی کی پوری روٹین عبادت میں شمار ہو سکتی ہے بشر طیکہ یہ اللہ تعالی کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں گزرے۔

علماء کرام کی تحقیقات سے عبادت کی جو وضاحت کشید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ

عبادت میں ہر وہ فعل شامل ہے جو اللہ رب العزت کو محبوب ہے۔ جس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ انسانوں کے لیے اللہ نے آسانی یہ کی ہے کہ ہر "قول" اور عمل چاہے "باطنی "ہو یا" ظاہری "عبادت ہے۔

چنانچہ

- نماز عبادت ہے،
- روزہ عبادت ہے
- صدقہ عبادت ہے
- حج عبادت ہے،
- سچی بات کہنا عبادت ہے
- امانت کی ادائیگی عبادت ہے
- والدین سے حسن سلوک عبادت ہے
- رشتہ داروں سے حسن سلوک عبادت ہے
- ایفائے عہد عبادت ہے
- نیکی کا حکم دینا اور منکرات سے روکنا عبادت ہے،
- کفار و منافقین سے جہاد عبادت ہے
- پڑوسی وہمسایہ سے حسن سلوک عبادت ہے
- یتیم، مسکین اور مسافر پر رحم کرنا اور حسن سلوک کرنا عبادت ہے

- غلاموں پر رحم اور آسانی کا معاملہ کرنا عبادت ہے
- جانوروں پر رحم کرنا عبادت ہے
- دعا مانگنا عبادت ہے
- ذکر کرنا عبادت ہے
- قراءت قرآن عبادت ہے
- اور اس طرح کے بہت سے "ظاہری اعمال" عبادت ہیں۔
- جہاں تک "باطنی عبادات" کی مثالیں ہیں تو:
- اللہ تعالی اور اس کے رسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا عبادت ہے
- ادل میں خشیت الہی ہونا عبادت ہے
- اللہ کی طرف رجوع کرنا عبادت ہے
- اخلاص دین عبادت ہے
- اس کے حکم پر صبر عبادت ہے
- اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا عبادت ہے
- اس کی طرف سے آئی آزمائش کے باوجود راضی رہنا عبادت ہے
- اللہ پر توکل کرنا عبادت ہے
- اس سے رحمت کی امید رکھنا عبادت ہے
- اس کے عذاب کا خوف کھانا عبادت ہے۔
- عبادت اللہ سے محبت کی انتہاء اور اس کے سامنے عاجزی کی انتہاء کی صورت میں درجہ "کمال" حاصل کر لیتی ہے۔
- اسی طرح ہر وہ قول یا عمل جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل ہو عبادت ہے۔

حقیقت کی آنکھ

اپنے ہاتھوں سے اگائی کھیتی کاشتکار کو بہت بھلی لگتی ہے؟ وہ اس کے لیے بہت قیمتی اور محبوب ہوتی ہے؟

یہ کون سی کھیتی ہے؟

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ: ''اور انجیل میں ان کی مثال یوں ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے نکالی اپنی کونپل، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ سخت ہوئی، پھر وہ اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔''

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ: ''یہ کاشتکار کو بڑی بھلی لگتی ہے''

جب سے اس آیت اور اس کے پس منظر کو تفاسیر اور سیرت النبی کی روشنی میں غور و فکر کر کے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ باغبانی کو دل چاہتا ہے۔ میرا شعور بھی بیج کے مٹی میں ملنے کے بعد ہوا پانی اور روشنی کے مناسب انتظام اور اللہ سے اس کے اگنے کی فریاد کر کے اس عمل کی حقیقت کو پالینا چاہتا ہے۔

اللہ تعالی نے ہم انسانوں پر رحم فرماتے ہوئے قرآن مجید میں مثالیں ایسی سادہ اور فطری زندگی سے دی ہیں جن کا مشاہدہ ہر خاص و عام اور بالغ و نابالغ بآسانی کر سکتا ہے اور نتیجتا اس مقصد تک پہنچ جاتا ہے جس کے لیے اللہ تبارک و تعالی نے مثال بیان کی۔

یہ "کھیتی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں اور "کاشتکار" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات عالی صفات و اخلاق ہے۔

مکہ مکرمہ میں نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تبلیغ کے بیج بوئے۔ تیرہ سالہ مکی دور میں دن رات کی پیہم کوششوں کے نتیجے میں قریبا600 سے زائد لوگ مسلمان ہوئے۔۔۔

تھوڑا رکیے کاشتکار کا اپنی کھیتی سے لگاو اور اس کی بڑھوتری کے لیے محنت اور رب سے کی جانے والی مناجات کو محسوس کریں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر ہجرت کی سختیوں اور آزمائشیں اٹھانے والوں کا رسول اللہ کی معیت میں ثابت قدم رہنے پر غور کریں۔۔۔۔

اب شروع ہوا چاہتا ہے کھیتی کی پیداوار دن دگنی رات چوگنی ہونے کا دور۔۔۔ مدینہ منورہ کے گیارہ سالہ دور میں صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن اور مابعد لوگوں کا دین اسلام میں جوق در جوق شامل ہونے کا منظر نظر آتا ہے یہاں تک کہ ایک لاکھ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔

ذرا سوچیے اس کھیتی کا کون سا اور کتنا سا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیارا ہو گا؟

اس کھیتی کے کاشتکار کی کامیابی کا کیا عالم ہے جسے اللہ نے پہلے "تورات" میں بطور مثال بیان کیا پھر "انجیل" میں اس کی مثال دی اور پھر "قرآن مجید" میں اس کی مثال دی جسے قیامت تک تلاوت کیا جاتا ہے۔

مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

"محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں، (اور) آپس میں ایک دوسرے کیلئے رحم دل ہیں۔ تم اُنہیں دیکھو گے کہ کبھی رُکوع میں ہیں، کبھی سجدے میں، (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کی علامتیں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں اُن کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور اِنجیل میں اُن کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہو گئی، پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کاشتکار اُس سے خوش ہوتے ہیں، تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔"

سورۃ الفتح:29

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ:اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں۔(الذاریات:56)

گزشتہ پوسٹ میں ایک گھریلو عورت،ایک مزدور،ایک طالب علم،نوافل کے ذریعے اللہ کے قرب کے متوالوں،ایک تاجر،ایک والدہ اور ایک فلاحی کام کرنے والوں کے تصور عبادت کو بطور نمونہ سامنے رکھا تھا۔

مقصد عملی زندگی کے زندہ مسائل کو زیر بحث لانا ہے۔ایک مسلمان معاشرے میں رہتے بستے لوگ اسلامی تصور عبادت سے ناآشنائی کے سبب ضمیر کی خلش کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔

عبادت کیا ہے؟سوال آسان ہے اور جواب کے لیے جب تک قرآن مجید سے دوستی نہ کر لیں جواب مشکل ہے۔
بالکل آسانی چاہیں تو پھر اسے رسول اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ ضروری ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا (الاحزاب:۲۱)

"بیشک تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے اس کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔"

☆☆☆☆☆

(گزشتہ سے پیوستہ)

قرآن مجید کی بعض آیات اپنے نزول کی غرض وغایت اور مقصد خود بیان کر دیتی ہیں۔انہی میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن

"اور میں نے جن اور آدمی اسی لئے بنائے کہ میری عبادت کریں"**(الذاریات:56)**

اللہ،کائنات اور انسان کا آپس میں تعلق ہمیشہ سے بے دار مغزوں کے غور و فکر کا مرکز رہا ہے۔

سورۃ الفاتحۃ کی ابتدا میں اللہ تبارک و تعالی نے اپنی ذات و صفات کو سادہ اور موثر ترین الفاظ سے متعارف کرایا۔ تعلق اور محبت کا احساس اجاگر کیا۔

"رب العالمین" بتا کر کائنات اور اس میں موجود تمام "مخلوقات" کے بارے میں غور و فکر کرنے اور معلومات بڑھانے کی تحریک دی۔

"مالک یوم الدین" میں اپنی وحدانیت اور اقتدار کے ساتھ ساتھ دنیا میں انسانی زندگی اور آخرت میں اس کے حساب کتاب کا بتا دیا۔

دن بھر کی پانچ نمازوں میں ہم ان عقائد کو دہراتے ہیں۔

لفظ "مخلوق" پر غور کرنا اہم ہے۔ اپنی دنیا میں ہم عقلمند اور ناسمجھ سبھی انسانوں کے اعمال کا مشاہدہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام کے پیچھے اس انسان کا کوئی مقصد یا غایت ہوتی ہے۔

فیکٹریز سے بننے والی مصنوعات کسی نہ کسی ہدف کی تکمیل کے لیے بنائی جاتی ہیں۔

کھیتوں میں ہل کسی مقصد کے لیے چلایا جاتا ہے۔

گھروں کی تعمیر اپنے پیچھے بہت سی اہم وجوہات رکھتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ سبحانہ تعالی علم و حکمت کا اصل منبع ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ سورۃ الذاریات کی اس آیت میں اس نے "جن اور انسانوں کی تخلیق " کو دوسری مخلوقات کی تخلیق سے الگ کر کے ان کی تخلیق کے مقصد یعنی "عبادت " کی طرف توجہ دلائی ہے۔

جن و انس کو اللہ نے کچھ ایسا دیا جو بقیہ مخلوقات کو نہیں دیا۔

وہ کیا ہے؟

1۔ عقل، شعور اور ادراک

2۔ اختیار کی آزادی

3۔ عاقل و بالغ اور صاحب استطاعت ہونے پر شریعت کا مکلف

جی یہ سب دوسری مخلوقات کو نہیں ملا۔

اب "عبادت" کو سمجھنا ضروری ہے۔اس لیے کہ ہمارے خالق نے ہمیں عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور اس عبادت کے عمل کے لیے ضروری لوازمات یعنی عقل، اختیار اور وحی کے زریعے رہنمائی سے نواز دیا ہے اور اب امتحان ہے کہ عبادت کا حق کہاں تک پورا ہوتا ہے؟

☆☆☆☆☆

مناسبت

مناسبت ہر کوئی تلاش کرتا ہے۔ گرم موسم میں پہنے جانے والے ٹھنڈے سوتی ملبوسات سردیوں کے لیے" نامناسب "ہوتے ہیں۔

شادیوں پر پہنے جانے والے زرق برق ریشمی اور نقشی دبکے کڑھائیوں والے بھاری پہناوے عام اوقات میں گھر میں پہننے کو "نامناسب" جانا جاتا ہے۔

مسجدیں اللہ تعالی کی عبادت کے لیے ہیں نہ کہ ڈھول پیٹنے اور رقص کے لیے۔

پاکستانی معاشرے میں شادی کے لیے "مناسب" جوڑی چھوٹی عمر کی لڑکی کے ساتھ عمر میں اس سے بڑے مرد کا جوڑ مناسب جب کہ چھوٹی عمر کا لڑکا اور عمر میں اس سے بڑی لڑکی "نامناسب" سمجھی جاتی ہے۔

رشتہ دار امیر ہوں تو ان سے گہرے تعلقات کو "مناسب" اور غریب ہوں تو ان سے دوری کو "مناسب" جانا جاتا ہے۔

بڑی عمر یا بڑے عہدے پر موجود شخصیت کی ہر بات کو "مناسب" اور نوعمری یا غربت میں فکر و تدبر کی گفتگو کو "نامناسب" سمجھا جاتا ہے۔

لوگوں کی توجہ کے لیے کسی گدی نشین کی کشف و کرامات سے مزین طلسمی گفتگو "مناسب" مگر قرآن و سنت کی تعلیمات کو زندگی پر منطبق کرنے کی گفتگو "نامناسب" سمجھی جاتی ہے۔

اس میں سے کچھ باتوں پر آپ کو اتفاق اور کچھ سے اختلاف ہو گا۔۔۔

لیکن شاید اس بات سے آپ اتفاق کریں گے کہ "مناسبت کی تلاش" صاحب عقل ضرور کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کا تصور آزادی

ایک فرد کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ کر اسلام لے آتا ہے۔ یہ کلمہ انسان کو اس کے حقیقی خالق کی پہچان کراتا ہے اور اسے ہر غیر فطری غلامی سے آزاد کر دیتا ہے۔ وہ صرف اللہ کا بندہ ہے۔

وہ کسی کا غلام نہیں۔ مظاہر فطرت، حجر و شجر، انسان و جنات سب کے سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ کلمہ توحید کا اقرار کرنے والا ان میں سے کسی کا بندہ نہیں۔ اسے اپنا سر صرف اور صرف بارگاہ الٰہی میں جھکانا ہے۔

ہمارے آقا و مولا رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے 9 ذوالحجہ یوم النحر میں خطبہ حجۃ الوداع میں انسانی آزادیوں کی بھرپور وضاحت فرمائی اور کھلے الفاظ میں اعلان فرمادیا:

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ ایک ہے۔ تم سب کے سب آدم سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔ اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقوی والا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور نہ ہی لال کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے مگر تقوی کے سبب۔ **(مفہوم حدیث)**

مخلوق ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں۔ کوئی اپنے نسب کی بنا پر دوسروں کا محکوم نہیں بنا سکتا۔

کوئی اپنے رنگ کے باعث دوسروں پر حاکم مقرر نہیں ہو گیا

کوئی اپنی قوت کے بل بوتے پر دوسرے انسانوں کو اپنے زیر نگین نہیں کر سکتا۔

اس آزادی کا اعلان اللہ رب العزت نے اس آیت میں فرمایا:

لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ وَٱلْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ ٱلْبَيِّنَةُ (سورة البينة:١)

"اہلِ کتاب میں سے کافر اور مشرک لوگ باز آنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے."

علال فاسی مقاصد شریعت پر عمیق نگاہ رکھنے والی شخصیت، آزادی کا قرآن و سنت سے اثبات کرتے ہوئے آیت میں موجود لفظ "منفکین" کا ترجمہ اسیری سے رہائی یعنی آزادی کا کرتے ہیں۔ انہیں مفسرین کرام پر تعجب ہے کہ وہ اس لطافت کو محسوس نہ کر سکے اور اس کا مطلب "باز آنے والے"، "رکنے والے"، "اختتام کرنے والے" کرتے آئے ہیں۔ اگر مخلوق کو یہ صدا نہ سنائی جاتی تو انسان اپنے سے زیادہ طاقت ور کا غلام رہتا۔ آزادی کا یہ پیام اللہ کے آخری نبی ورسول سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو پڑھ کر سنایا۔

☆☆☆☆☆

آپ کو تعریف سننا پسند ہے؟

تعریف سننا سب کو اچھا لگتا ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ کچھ لوگ تعریف کے لیے بال سنوارتے رہتے ہیں۔ کچھ کپڑوں کے نت نئے ڈیزائن پہن پہن کر داد وصول کرتے ہیں۔

بہت سوں کو نئی چمکتی دمکتی کار کی تعریف سننا پسند ہوتی ہے اور کچھ محلات بنا کر انہیں جنت سماں بنا کر ان پر اتراتے پھرتے ہیں۔ بعضے سنجیدہ مزاج اور اعلی تعلیم اسناد اور عہدے حاصل کر کے تعریف سمیٹتے ہیں۔ غرض ہر کسی کو ستائش اچھی لگتی ہے۔

تو کیا آپ نے قرآن مجید میں یہ آیت پڑھی ہے؟

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

ترجمہ:

"ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

ہر انسان اپنی کارگزاری پر تعریف حاصل کرنا چاہتا ہے چنانچہ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے اس آیت اور انسانی رویے کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ یہ آیت تب نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے کوئی سوال پوچھا تو انہوں نے اصل جواب چھپا لیا اور کچھ اور جواب دے دیا اور اب اپنے اس بدعمل کے باوجود پر اپنے نمازی و روزہ دار ہونے کی تعریف بھی سننا چاہتے تھے۔ **(مفہوم حدیث۔ صحیح بخاری۔ رقم حدیث 4568)**

گویا حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ خاص یہ آیت یہودیوں کے بارے میں ہے۔ اگرچہ یہ آیت عام نہیں ہے لیکن عقلمند انسان دوسروں کو دیکھ کر درس عبرت لے لیتا ہے۔ مجھے اور آپ کو اس بات سے ڈرنا چاہیے کہ جو کام ہم نے سرانجام ہی نہ دیا ہو اس پر تعریف کے طلبگار ہوں۔

ابن عاشور اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے اخلاقی انحطاط اور تبلیغ دین میں کوتاہی پر دلالت کرتی ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت غزوات سے جان بوجھ کر پیچھے رہ جانے والے "منافقین" کے لیے اتری جو بعد میں عذر پیش کر دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عذر قبول فرمالیتے۔ اب وہ منافقین اپنی تعریف کے لیے مجاھدین کہلانا چاہتے تھے۔

ابن عاشور نے تفسیر بالماثور پیش کرنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں موجود خطاب ہر اس شخص سے کیا گیا ہے جس کا حال اس بد اخلاقی سے مزین ہے۔

اسی موقع پر جان لینا بھلا معلوم ہو گا کہ دن بھر کئی مرتبہ نمازوں میں سورۃ الفاتحۃ کی تلاوت میں جب ہم (الحمدللہ رب العالمین) کہتے ہیں تو ہم اس حقیقت کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہیں کہ اصل میں تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ ضرورت اسے سمجھنے کی اور بندگی اختیار کرنے کی ہے۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

☆☆☆☆☆

تخیل کی آبیاری

اللہ رب العزت نے انسان کو راہ ہدایت سجھانے کے لیے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اس ہدایت کے انداز اور رنگ ہر لمحہ ہر آن نئی جوت وجدت لیے نظر آتے ہیں

تلاوت کا آغاز کیجیے۔

سورۃ الفاتحۃ کی پہلی ہی آیت کسی بھی ذہن کو مہمیز کیے بنا نہیں رہتی۔ یہ انسانی تخیل کو آزاد پرواز کی راہ دکھاتی ہے۔ سوچنے کی دعوت دیتی ہے۔

الحمدللہ رب العالمین

(سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے)

انسان اپنے رب کا تعارف حاصل کرتا ہے "عالمین کا رب"۔ تلاوت کرتے ہی پہلا خیال ابھرتا ہے۔ میرا رب کون ہے؟ کیسا ہے؟ ابھی یہ خیالات جاگتے ہیں کہ "رب العالمین" کے کلمات اسے تخیل کی بلند پروازی کی دعوت

دیتے ہیں۔ کلام الہی اس کی اس الجھن کے حل کی محفوظ راہ سجھاتا ہے۔ ذات الہی کے بارے میں جاننا ہے تو پہلے اس کی تخلیق پر نگاہ کرو۔

کیا تم نے اس کا بنایا ہوا کوئی ایک عالم بھی دیکھا ہے؟

اور

وہ تو تمام عالموں کا رب ہے۔ اس کی بنائی ہوئی کائنات کی وسعتوں پر نظر ڈالو۔ اس کی کاریگری کو دیکھو۔ وہ ستارے وہ سیارے۔ یہ زمین و آسمان۔ نگاہ بلند پرواز سے قاصر ہے تو چلو اس زمین سے آغاز کرو۔ ان پھولوں کو دیکھو جن کے لاتعداد رنگ، حجم، قسمیں اور خوشبوئیں ہیں۔ محض ایک زندگی میں صرف کرہ ارضی میں موجود پھولوں کے بارے میں جانکاری حاصل کرنا ہی مشکل ہے۔

ذرا دریاوں اور سمندروں میں موجود مچھلیوں کی رنگا رنگ قسموں بولیوں جسمانی نقش و نگار اور جسامت کے بارے میں سوچو۔۔۔ معلوم ہو گا کہ اس کرہ ارضی کے اندر بھی اتنے جہان آباد ہیں جن کی خبر رکھنے کے لیے ایک حیات ناکافی ہے۔۔۔ انسان کی زندگی ختم ہو جائے گی مگر اس ماہر خلاق کی تخلیقات سے کامل آشنائی ہونا ممکن نظر نہیں آتا۔ عالمین پر یہ توجہ انسان کو ایک طرف "رب کی کبریائی" کا احساس دلائے گی تو دوسری جانب اتنی بڑی کائنات میں اپنے وجود کی کم مائیگی کا احساس" عجز کی رغبت" دلائے گا اور اپنے اصل خالق و مالک کی عظمت اور ربوبیت کی قدر آنے لگے گی۔

یہ تمام باتیں اپنی جگہ ذرا سوچو ایک انسان جو اپنے جیسے ہی ایک انسان کی غلامی میں ہے۔ اس پر راج کرنے اور اپنے لیے خدمات بٹورنے کے لیے اس کا یہ مالک اسے علم کی نعمت سے محروم کرتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ غریب انسانوں کی پیدائش کا مقصد اپنے انسانی آقاوں کی بندگی اور خدمت بجالانا ہے۔ اسے سوچنے اور غور و فکر کرنے والا خادم سخت ناپسند ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ بیدار مغز پر حکومت کرنا آسان نہیں۔

دوسری طرف رب کائنات اللہ تبارک و تعالی ہے جو اپنی تعریف بجالانے کی تعلیم دے رہا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ انسان کو "فکری آزادی" کی نعمت سے نواز کر حق بندگی کا تقاضا کر رہا ہے۔

سوچو، غور و فکر کرو، سمجھو۔

اس کے فرستادہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق "ایک فقیہ ہزار عابدوں پر بھاری ہے"۔(مفہوم حدیث)

☆☆☆☆☆

آیئے غوروفکر کرتے ہیں

شیر خوار بچہ جب بڑا ہونے لگے تو کیا اسے ٹھوس غذا کی ضرورت ہوتی ہے؟جی بالکل اور تمام لوگ اس کی ضرورت کو درست جانتے ہیں

تعلیم کے سلسلے میں جسے لفظ بولنے آجائیں اسے جملے سکھائے جاتے ہیں۔جملوں سے پیراگراف اور پھر مضمون نویسی اور کہانیاں بھی لکھوائی جاتی ہیں۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ سرگرمی غلط ہے ۔کسی لفظ کی ادائیگی ہی کافی ہے ؟نہیں یہ درست نہیں۔

بیماری مہلک تھی۔طبیب نے مہینے چھ مہینے جو دوا دی بعد میں مرض کی نوعیت میں کمی مشاہدہ کر کے دوا کی تجویز بدل دی۔آپ اسے طبیب کی مہارت مانیں گے یا دوا بدلنے پر اسے جاہل سمجھنا شروع کر دیں گے؟ایسا کوئی بھی نہیں سمجھتا۔

والد صاحب گھر بھر کی ضرورتوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔انہیں اپنی ساری اولاد سے بہت محبت ہے۔اس کا وہ زبانی اور عملی اظہار کرتے رہتے ہیں لیکن یہ کیا جب وہ کسی بات کو ٹھان لیں تو پھر انہی کی ماننا پڑتی ہے۔کیا والد صاحب کی اولاد سے محبت افسانہ ہے؟وہ انہیں دکھی کرنا چاہتے ہیں یا اپنی حاکمیت کا رعب جمانا چاہتے ہیں؟مسئلہ محبت اور حکم کی حدود کو متعین نہ کرنے کا ہے۔

کتنی عجیب روش ہے کہ جب ایک جماعت کے مضامین سے شناسائی ہو جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ ہمیشہ اسے ہی دہرایا جائے اگلی جماعت میں ترقی کر دی جاتی ہے۔کیا پچھلی جماعت کی تعلیم ناقص تھی؟

مقصد تو اللہ کی بطور معبود پہچان حاصل کرنا ہے۔ہر نبی نے توحید سکھائی اب آپ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاءوالمرسلین کی بعثت کے بعد پچھلے انبیاء کی تعلیمات کو چھوڑ دیا۔کیوں؟کیا آپ انہیں غلط یا ناقص جانتے ہیں؟کیا یہ عمل اللہ کی شان کے مطابق درست ہے؟

یہ اور کئی ایسے سوالات ہمارے ذہنوں میں کلبلاتے ہیں۔

جی ہاں۔ ان سب مثالوں میں موجود سوالات پر غور و فکر اور ان کے درست جواب کی تلاش "صراط مستقیم" پر محفوظ سفر کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆☆

"معلوم سے نامعلوم تک رسائی"

معلوم سے نامعلوم تک رسائی علم التعلیم کے بنیادی اصولوں میں سے اہم اصول رہا ہے۔ دنیا بھر میں جتنے بھی علوم پڑھائے اور سکھائے جاتے ہیں ان سب میں یہ اصول ریڑھ کی ہڈی کا کام کرتا ہے۔

اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے قریبا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل نے انسانیت کو توحید کی ہدایت اور تعلیم کے لیے یہی اصول اپنایا۔ اس تعلیم کے لیے حضرت ابراہیم علیہ سلام کے طریقہ کو اللہ سبحانہ وتعالی نے قیامت تک کہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے قرآن مجید کی آیات میں محفوظ کر لیا۔

وہ تمام انسان جو "مشاہدہ" کی اہمیت کو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ مشاہدے سے درست نتائج کے لیے طویل وقت، غور و فکر، تحلیل و تجزیہ کے ساتھ ساتھ نفسیاتی ضروریات پسند و ناپسند قابلیتیں اور ہنر کے علاوہ رد عمل کی نفسیات پر عبور بھی ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم نے "توحید خالص" کی تعلیم اور ذات باری تعالی کے اثبات کے لیے جس مشاہدے کی روش اپنائی اللہ تعالی نے اسے تفصیل سے سورۃ الانعام میں بیان کر دیا ہے۔ حق کے متلاشی ان آیات کو پڑھ کر سمجھ کر "ایمان بالغیب" کو مزید سیکھ لیں گے اور اپنے ایمان پختہ کرنے کا سامان کریں گے۔

☆☆☆☆☆

نظــــر، عینکــــــ اور کلام الٰہی

ذرا سوچیے آپ کی نظر کمزور ہے لیکن آپ نے اپنے والد یا والدہ کی عینک لگالی ہے تو نمبر کی تبدیلی کے باعث مزید دھندلا نظر آنے لگا۔ آنکھوں کے آگے تارے ناچ گئے۔

پہلے ہی سخت اندھیرا تھا ظالم دوست نے عینک سے مراد محض فریم لیا اور اس کے سیاہ شیشوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مکمل اصرار کیا کہ فکر نہ کرو جب سخت دھوپ ہو گی تو یہ منظر حسین دکھائے گی۔

آپ دور دیکھنا چاہتے ہیں اور آپ کو عینک میں ایسے شیشے فٹ کر کے تھما دیا گیا ہے جس میں قریب کی چیزوں کو صاف اور بڑا دیکھنا تو ممکن ہے دور کے لیے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

آپ کو قریب سے صاف دیکھنا ہے مگر تحفے میں دور دیکھنے کی عینک دی گئی ہے اور آپ اس مقدس تحفے کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتے۔

ارے یہ کیا دنیا تو ساری پیلی ہے!

نہیں نہیں ساری دنیا نیلی ہے!

سبز ہے سبز ہے!

سرخ ہے سرخ ہے!۔۔۔

ارے جس رنگ کے شیشے آنکھوں پر لگاو گے۔ دنیا اسی رنگ کی دکھے گی نا۔۔۔

مگر یہ کیا؟

آپ کی نظر کمزور ہے لیکن اس کے لیے ذاتی عینک نہیں خریدنا چاہتے!!!

آپ کا منصوبہ ہے کہ

گھر میں والدین کی عینک،

مدرسہ میں اساتذہ کی عینک،

یار دوستوں میں انہی کے چشمے،

بچوں بچونگڑوں میں ان کی رنگ برنگی موٹے پتلے شیشوں والے مختلف گاگلز سجا کر بہترین گزارا ہو جائے گا۔۔۔

وقت کٹ جائے گا۔۔۔

کلام الٰہی کی زبان عربی

اور

مجھے عربی نہیں آتی۔۔۔ کبھی کسی عالم کا ترجمہ قرآن، کبھی کسی عالم کا ترجمہ قرآن۔۔۔ میری ضرورت ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جس نے ترجمہ کیا۔۔۔

اس کی علمیت،

زباندانی کی مہارت،

ماحول کی ضروریات،

تبلیغ کا شوق یا عدم شوق،

مزاج کی شدت یا سہل پسندی۔۔۔ وغیرہ وغیرہ اس کے ترجمے میں شامل ہو چکی ہے۔۔۔۔ مختلف عینکوں کی طرح اس میں بھی کوئی ایک وصف یعنی دور یا پاس دیکھنے، چھاؤں یا رنگ دیکھنے کی صلاحیت ہے۔۔۔۔ وقتی طور پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔۔۔۔

کیونکہ آپ مختلف ہیں۔

مسئلہ کلام الٰہی میں نہیں۔ مسئلہ ایسی اپروچ کا ہے جس میں محتاجی ہے۔ ایسی صورت میں کلام الٰہی کا ترجمہ آپ کی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔

کسی اور کی نظر سے، کسی اور کے ذہن سے پڑھیے اور سمجھیے اور سر دھنیے۔ شخصیت پرستی اور فرقہ پرستی کی راہیں ہموار کیجیے۔ اس میں اس ترجمہ کرنے والے کا قصور نہیں۔ قصور محتاج اور اپاہج کا ہے۔

اپنی نظر سے دیکھیے اپنے فہم سے جانیے سوچیے سمجھیے۔ کلام الٰہی کی زبان عربی سیکھیے اس سے محبت کیجیے۔ اس سے بلاواسطہ، قریب کی دوستی کر لیجیے۔ اسے اپنی آنکھ سے دیکھیے اپنے فہم سے سمجھیے۔ محتاجوں تک پہنچائیے۔۔۔

جسے قبر میں، پل صراط پر، روز محشر، جنت میں رفیق اور دل کی بہار بنانا چاہتے ہیں آپ کے اور اس کے درمیان بہت سے واسطے آ گئے ہیں۔۔۔ حجاب بڑھ گئے ہیں۔۔۔ ان کو دور کرنے کی تیاری کے لیے وقت ہے آپ کے پاس؟؟؟

ہے تو مبارک ہو

(خيركم من تعلم القرآن وعلمه) خوشخبری آپ کے لیے

وقت نہیں ہے تو جتنے لمبے واسطے ہیں اتنی دوری سے کرم کے منتظر رہیے۔۔۔اللہ کریم ہے۔رحیم ہے۔معاف فرمانے والا ہے۔بس آپ کے پاس اپنی سستی کی حجت کوئی نہیں۔دلیل کوئی نہیں۔۔۔

بتائیے ہے آپ کے پاس؟

اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد و صل علی المومنین والمومنات والمسلمین والمسلمات۔

☆☆☆☆☆

سوچیے غلبہ واقتدار چاہنے والا اپنا تعارف کس طرح کراتا ہے؟

عام مشاہدہ ہے کہ

طاقت کے اظہار سے۔۔۔

قہر اور جبر سے۔۔۔۔

یہاں تک کہ سامنے والا بے یاری ومددگاری اور بے بسی اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے۔

سورۃ الفاتحۃ میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنے تعارف کی ابتدا اسم ذاتی "اللہ" سے کی پھر اپنی صفت "ربوبیت" کو مشاہدہ کرنے کے لیے عالمین کی طرف توجہ مبذول کرائی تاکہ ہیبت اور ڈر دُوری پر نہ اُکسائے۔اس پر اضافہ فرمایا:

الرحمن الرحيم۔

"(جو رحمن ہے رحیم ہے۔)"

دونوں صفاتی نام "رحمت" کی خبر دیتے ہیں۔احادیث وروایات اللہ کی صفت "رحمن " کو تمام مخلوقات پر رحم کرنے والا بتاتی ہیں۔یہاں تک کہ مسلم وغیر مسلم میں بھی فرق نہیں۔"رحمن "کا نام مخلوق کو اپنے لیے رکھنا روا نہیں۔

دوسری صفت "رحیم" ہونا ہے۔ رحیمی ایک عمل ہے۔ رحمت کا ایک سلوک ہے۔ اللہ تعالی خود بھی رحیم ہے اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف "رحیم" کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں فرمایا۔ گویا انسان بھی رحیم ہو سکتا ہے۔

احادیث سے پتا چلتا ہے کہ اللہ کی صفت "رحیم "کا تعلق خاص طور پر مسلمانوں سے ہے جس کا مظاہرہ قیامت کے دن ہو گا۔

اس نے اپنے رحمن ہونے کی صفت کو تذکرہ کر کے مخلوق سے محبت و شفقت کے تعلق کو پہلی ترجیح میں رکھا ہے۔۔۔ غور و فکر کریں۔۔۔

اللہ کو اس رویے کا پابند کرنے والا کون ہے ؟ جب کہ وہ قادر مطلق ہے۔

"اسلام کی دعوت و تبلیغ" کی ذمہ دار "امت مسلمہ "کے ہر فرد کو یہی اخلاق اپنانے کی ضرورت ہے۔ دین کی تبلیغ کے لیے اپنے اندر صفت " رحیمیت "کو پروان چڑھائیں۔ یہ صفت انسانوں کے درمیان اچھے تعلقات، امن کے فروغ، ہمدردی، رواداری، بھلائی اور فلاح کے کاموں میں تعاون کے ذریعے نہ صرف دنیا میں صحت مند اسلامی معاشرے کے فروغ میں مددگار ہو گی بلکہ آخرت میں بھی اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے میں مددگار ہو گی۔

اللہ تعالی ہمیں خود میں اور اپنے بچوں میں "رحیمیت" کی خوبی پروان چڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

"قرآن کا تعارف انسان:"

"انسان "اس کائنات میں خوش نصیب ترین مخلوق۔ مسجود ملائک۔ احسن تقویم پر تخلیق کردہ۔

اللہ نے اس کے لیے زمین و آسمان اور ان کے اندر سب کچھ اس کے لیے مسخر کر دیا۔

عقل کا نور دیا۔

وحی سے کامل رہنمائی فراہم کی۔

اختیار کا کارگر ہتھیار دیا۔

حریت کا تاج پہنایا۔

علم سکھایا۔ بیان سکھایا۔

اور

سب سے بڑا اعزاز یہ کہ زمین پر اپنا نائب مقرر کیا۔ خلافت ارضی بخشی۔

اس قدر اہتمام کس لیے؟

کبھی اس رحمن ورحیم کی ان عطاوں پر تدبر کیا؟ کبھی ان کے درست استعمال کا منصوبہ ترتیب دیا؟

☆☆☆☆☆

"حاکم" کون ہے؟

"حکم" کیا ہے؟"

الہامی مذاہب سے تعلق رکھنے والا ہر فرد جسے خاتم الانبیاء والمرسلین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ اس دعوت کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔

یا

وہ جو اسلام کو دین برحق ماننے سے راہ فرار اختیار کرتا ہے۔

یا

وہ جو چند انبیاء کو تو من جانب اللہ مانتا ہے اور بقیہ کا انکار کرتا ہے۔

یا

وہ جو رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ورسالت کا اختتام ماننے سے انکاری ہے

یا

وہ جو "اسلام" کے علاوہ کسی بھی انسانی تحریف و تبدیلی کو "دین" سمجھتا ہے

اور

وہ جسے "اسلام" کے مِن جانبِ اللہ ہونے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی ورسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ایک ہی دین ہونے میں شک ہے۔

تو

حقیقت یہ ہے کہ اسے اپنے عقیدہ توحید کو درست اور خالص کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

توحید کیا ہے؟اس کی خالص سمجھ بوجھ قرآن مجید میں مذکور حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنے والے واقعہ سے ہوتی ہے۔

آدم کیاہیں؟

اللہ تعالی کی مخلوق۔

فرشتے کیاہیں؟

اللہ تعالی کی مخلوق۔

جن کیاہیں؟

اللہ تعالی کی مخلوق۔

سجدہ کیاہے؟

ایک عبادت جو صرف اللہ تبارک وتعالی کے لیے ہے۔

ہوا کیا؟اللہ تعالی نے اپنی ایک مخلوق یعنی فرشتوں کو اپنی دوسری مخلوق یعنی آدم علیہ السلام کو "سجدہ" کرنے کا "حکم" دے دیا۔۔۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ فرشتے اللہ کی وہ نور سے بنائی مخلوق ہیں جنہیں اللہ نے "اختیار" کی نعمت سے نہیں نوازا۔وہ اپنے رب کا حکم سن کر پس وپیش نہیں کرتے۔بس وہی کچھ کرتے ہیں جس کا الہی حکم انہیں ملتاہے۔

دنیامیں جن وانس کو نکال کر بقیہ تمام مخلوق کو "اختیار" کی نعمت نہیں دی گئی چنانچہ وہ جس کام کے لیے پیدا ہوئے ہیں بغیر رک اور تھکے وہ کام انجام دیتے رہتے ہیں۔

ابلیس جن تھا جسے اللہ تعالی نے آگ سے تخلیق کیا زہد وعبادت کی کثرت سے وہ فرشتوں کی جماعت کا سربراہ بن چکا تھا۔وہ "اختیار" کی نعمت سے بہرہ ور تھا لیکن اس کی عبادت کی کثرت اسے "اختیار" کو درست استعمال نہ کرا

سکی۔اس نے انسان کے عنصر تخلیق یعنی مٹی اور جن کے عنصر تخلیق: آگ کا تقابل کیا اور خود کو برتر جانا۔۔اس نے حکم دینے والے کے مقام کو نظر انداز کرتے ہوئے آدم کے لیے "سجدہ" کرنے کو غلط جانا۔خطرناک غلطی جو موجب کفر وضلالت بنی وہ "حکم الہی" کا پاس نہ رکھنا تھا۔چنانچہ راندہ درگاہ ہوا۔

نبوت ورسالت "الہی حکم" ہے۔اللہ کا فضل ہے۔ایسی عطا ہے جو مخصوص چنیدہ وبرگزیدہ انسانوں پر ہوئی۔کوئی بھی انسان یا جن کثرت عبادت، زہد تقوی یا علم کی کثرت سے اس وہبی فضل کو حاصل نہیں کر سکتا۔کوئی اللہ سے کیوں ؟کا سوال نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆

نظر، عینک اور کلام الہی

ذرا سوچیے آپ کی نظر کمزور ہے لیکن آپ نے اپنے والد یا والدہ کی عینک لگالی ہے تو نمبر کی تبدیلی کے باعث مزید دھندلا نظر آنے لگا۔آنکھوں کے آگے تارے ناچ گئے۔

پہلے ہی سخت اندھیرا تھا ظالم دوست نے عینک سے مراد محض فریم لیا اور اس کے سیاہ شیشوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مکمل اصرار کیا کہ فکر نہ کرو جب سخت دھوپ ہوگی تو یہ منظر حسین دکھائے گی۔

آپ دور دیکھنا چاہتے ہیں اور آپ کو عینک میں ایسے شیشے فٹ کر کے تھما دیا گیا ہے جس میں قریب کی چیزوں کو صاف اور بڑا دیکھنا تو ممکن ہے دور کے لیے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

آپ کو قریب سے صاف دیکھنا ہے مگر تحفے میں دور دیکھنے کی عینک دی گئی ہے اور آپ اس مقدس تحفے کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتے۔

ارے یہ کیا دنیا تو ساری پیلی ہے!

نہیں نہیں ساری دنیا نیلی ہے!

سبز ہے سبز ہے!

سرخ ہے سرخ ہے!۔۔۔

ارے جس رنگ کے شیشے آنکھوں پر لگاوگے۔دنیا اسی رنگ کی دکھے گی نا۔۔۔۔

مگر یہ کیا؟

آپ کی نظر کمزور ہے لیکن اس کے لیے ذاتی عینک نہیں خریدنا چاہتے!!!

آپ کا منصوبہ ہے کہ

گھر میں والدین کی عینک،

مدرسہ میں اساتذہ کی عینک،

یار دوستوں میں انہی کے چشمے،

بچوں بچو نگڑوں میں ان کی رنگ برنگی موٹے پتلے شیشوں والے مختلف گاگلز سجا کر بہترین گزارا ہو جائے گا۔۔۔

وقت کٹ جائے گا۔۔۔

کلام الٰہی کی زبان عربی

اور

مجھے عربی نہیں آتی۔۔۔ کبھی کسی عالم کا ترجمہ قرآن، کبھی کسی عالم کا ترجمہ قرآن۔۔۔ میری ضرورت ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جس نے ترجمہ کیا۔۔۔

اس کی علمیت،

زباندانی کی مہارت،

ماحول کی ضروریات،

تبلیغ کا شوق یا عدم شوق،

مزاج کی شدت یا سہل پسندی۔۔۔ وغیرہ وغیرہ اس کے ترجمے میں شامل ہو چکی ہے۔۔۔۔ مختلف عینکوں کی طرح اس میں بھی کوئی ایک وصف یعنی دور یا پاس دیکھنے، چھاوں یا رنگ دیکھنے کی صلاحیت ہے۔۔۔۔ وقتی طور پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے مگر ہمیشہ کے لیے نہیں۔۔۔۔

کیونکہ آپ مختلف ہیں۔

مسئلہ کلام الٰہی میں نہیں۔ مسئلہ ایسی اپروچ کا ہے جس میں محتاجی ہے۔ ایسی صورت میں کلام الٰہی کا ترجمہ آپ کی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔

کسی اور کی نظر سے، کسی اور کے ذہن سے پڑھیے اور سمجھیے اور سر دھنیے۔ شخصیت پرستی اور فرقہ پرستی کی راہیں ہموار کیجیے۔اس میں اس ترجمہ کرنے والے کا قصور نہیں۔قصور محتاج اور اپاہج کا ہے۔

اپنی نظر سے دیکھیے اپنے فہم سے جانیے سوچیے سمجھیے۔کلام الٰہی کی زبان عربی سیکھیے اس سے محبت کیجیے۔اس سے بلاواسطہ، قریب کی دوستی کر لیجیے۔اسے اپنی آنکھ سے دیکھیے اپنے فہم سے سمجھیے۔محتاجوں تک پہنچایئے۔۔۔

جسے قبر میں، پل صراط پر، روز محشر، جنت میں رفیق اور دل کی بہار بنانا چاہتے ہیں آپ کے اور اس کے درمیان بہت سے واسطے آ گئے ہیں۔۔۔حجاب بڑھ گئے ہیں۔۔۔ان کو دور کرنے کی تیاری کے لیے وقت ہے آپ کے پاس؟؟؟

ہے تو مبارک ہو

(خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ)خوشخبری آپ کے لیے

وقت نہیں ہے تو جتنے لمبے واسطے ہیں اتنی دوری سے کرم کے منتظر رہیے۔۔۔اللہ کریم ہے۔رحیم ہے۔معاف فرمانے والا ہے۔بس آپ کے پاس اپنی سستی کی حجت کوئی نہیں۔دلیل کوئی نہیں۔۔۔

بتایئے ہے آپ کے پاس؟

☆☆☆☆☆